

البصيرة (Al-Basirah)

7

الحکم بغیر ما انزل اللہ

اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلے کرنا



کتاب: ادیان کی جنگ سے اقتباس

مولانا عاصم عمر دامت برکاتہم

اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلے کرنا (الحکم بغیر ما أنزل اللہ)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، لیکن اگر عدالت میں قرآن نافذ نہ ہو، تجارت عالمی مالیاتی اداروں کے بنائے قوانین کے تحت کی جاتی ہو، نظام حکومت جمہوری ہو..... تو اللہ کی عبادت کس طرح کی جا سکتی ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منشا تو یہ ہے کہ روئے زمین سے تمام باطل ادیان کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین قائم کر دیا جائے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر بھی اس دین کے عطا کردہ نظام کے تحت زندگی گزاریں، تاکہ کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم نہ کر سکے، مظلوم کو انصاف دلایا جائے، غریب کو عزت سے جینے کا حق دیا جائے۔

اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم صرف مسلمانوں کے مسائل میں ہی نہیں ہے بلکہ کفار کے مسائل و مقدمات بھی (سوائے کچھ شخصی و عائلی معاملات کے) اسی الہی دستور و آئین کے ذریعہ حل کیے جائیں گے۔ لیکن آپ سوچوں کی پستی اور اللہ کے صریح حکم سے غفلت کا اندازہ لگائیے کہ کافروں کے مابین فیصلہ تو دور کی بات، مسلمانوں کی عدالتیں مسلمانوں کے مابین فیصلے کافروں کے قانون سے کرتی ہیں۔ اسی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ان فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے پولیس اور فوج بنائی گئی ہے جو اس کفر کو جبراً نافذ کرتی ہے، اس کی رٹ کو یقینی بناتی ہے۔ حالانکہ اللہ کا قرآن ہی وہ قانون ہے جس کے مطابق فیصلے کرنے چاہیے۔

﴿فَاَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ...﴾ (المائدہ: ۴۸)
”سو آپ اس (دستور) کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور ان (کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔“

اس باب میں ہم جمہوری نظام کے ایک اساسی ستون، یعنی جمہوری عدالتوں کا جائزہ لیں گے اور اس غرض سے اس بنیادی سوال کا جواب جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان عدالتوں میں اللہ کی شریعت کی بجائے انسانوں کے تراشے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کرنے کا جو عمل جاری ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا
﴿...وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَلَاوَلِيكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدہ: ۴۴)
”...اور جو اللہ کے نازل کردہ (قرآن) سے فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔“

اہل سنت والجماعت کو اللہ رب العزت نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے منتخب فرمایا اور دین کو افراط و تفریط اور کمی و زیادتی سے محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن و سنت کو اس کے صحیح معنی و مفہوم کے ساتھ بیان کرنے اور اس کو سلف صالحین کی تشریحات کے مطابق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی تاکہ یہ طبقہ دین میں کوہر قسم کی ملاوٹ سے پاک کرے، تشدد و غلو کے خاردار راستوں سے بچا کر اعتدال کی شاہراہ پر چلائے۔

چنانچہ یہ امت ہر دور میں تاریک سے تاریک فتنوں میں بھی کامیابی سے سفر کرتی رہی۔ دشمنانِ دین کی طرف سے اڑائے گئے گرد و غبار میں بھی اس جماعت نے حق کی راہ اعتدال کو نہیں چھوڑا،

علمائے اہل سنت نے اس قافلے کو فکری ڈاکوؤں، مذہبی سوداگروں اور ایمان کے دشمنوں سے بچا کر منزل کی جانب رواں دواں رکھا ہوا ہے۔

آقائے مدنی ﷺ نے فرمایا:

”لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله...“
 ”میری امت کی ایک جماعت حق کی خاطر قتال کرتی رہے گی، حق پر غالب رہے گی، جس نے ان کا ساتھ چھوڑا وہ اس جماعت کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے۔“

چنانچہ دیگر موضوعات کی طرح اس مسئلہ (اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہ کرنا) میں بھی بردور کے علمائے حق نے اپنے دور میں پائی جانے والی کمی و زیادتی کو بیان کرتے ہوئے اس مسئلہ کو شریعت کی تعلیم کی روشنی میں سمجھایا ہے۔

لہذا اس دور میں بھی اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے سامنے موجود صورتِ مسئلہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھیں، صرف اس کے ظاہری حالات اور مبہم اصطلاحات کا استعمال ہوتے دیکھ کر اس کے مطابق اس کی شرعی حیثیت کو بیان نہ کریں، تاکہ قرآن و احادیث کی روشنی میں امت کی رہنمائی کر سکیں۔ نہ تو اپنی طرف سے کسی مسئلہ میں تشدد اختیار کریں، اگر شریعت نے لوگوں کو گنجائش دی ہے تو یہ اپنی طرف سے ان پر سختیاں نہ عائد کریں، اور نہ ہی آسانیاں پیدا کرنے کے چکر میں دین کی ان سرحدوں کو بی پامال کر بیٹھیں جو کفر و اسلام میں امتیاز قائم رکھتی ہیں۔

لیکن افسوس کہ اس دور میں، زیر بحث مسئلہ میں لوگوں نے انتہائی سستی اور مداہنت سے کام لیا ہے۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام تو عوام اہل علم گھرانوں میں بھی اس بات کا احساس نہیں کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت زندگی کی سانس لینا، غیر اللہ کے آئین کو حاکم ماننا، اس پر خاموش رہنا، راضی رہنا یہ کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سخت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

کس قدر زیادتی ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی سخت وعید کو کوئی اپنی طرف سے ہلکا کر کے پیش کرے۔ کسی صحابی رسول ﷺ کے قول کو غلط جگہ پر پیش کرے۔ شہنشاہِ ارض و سماء لوگوں کو ڈرا رہے ہیں کہ جس نے ہمارے آئین کے علاوہ کسی اور آئین سے فیصلہ کیا وہ کافر ہے..... لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی دھمکی کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں، خود بھی یہ کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی جبری کرتے ہیں کہ نہیں کوئی بات نہیں، یہ کوئی ایسا بڑا جرم نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ گویا (نعوذ باللہ) احکم الحاکمین کی وعید نہ ہوئی، کوئی معمول کی بات ہو گئی! اعاذنا اللہ منہ!

اسی طرح یہ بات بھی اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے کہ قرآن و حدیث کے ظاہری ترجمہ کو دیکھ کر اس کو وہ معنی پہنچادے جائیں جو اسلافِ امت سے ثابت نہیں ہیں۔

اپنے دور میں درپیش کسی مسئلہ میں ہم اس وقت غلطی کر بیٹھتے ہیں جب کسی مسئلہ کے بارے میں ہم اس کا ظاہر دیکھ کر فیصلہ سناتے ہیں اور اس تفصیل کو بیان نہیں کرتے جو سلفِ صالحین نے بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح دوسری غلطی یہ ہوتی ہے کہ اسلافِ امت کی بیان کی گئی تفصیل کو ہم آج ایسی جگہ ثابت کرجاتے ہیں جہاں وہ منطبق ہو ہی نہیں سکتی۔

زیر بحث مسئلہ (قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرنا) بھی اسی قسم کے مسائل میں سے ہے جن میں صورتِ مسئلہ کی گہرائی میں جائے بغیر موجودہ نظام کے بارے میں شرعی حکم بیان کر دیا جاتا ہے۔ بندہ نے کوشش کی ہے کہ صورتِ مسئلہ کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا جائے تاکہ علمائے

حق شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی کریں۔

تنبیہ:

غیر قرآن سے فیصلہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بحث میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ ساری بحث صرف ایک شرعی حکم سے متعلق ہے۔ یعنی کوئی جج یا حاکم قرآن کے تمام فیصلے نافذ کرتا ہے لیکن صرف ایک قطعی طور پر ثابت شدہ شرعی حکم میں غیر قرآن سے فیصلے سنانا ہے (مثلاً زنا کی شرعی سزا کو بدل کر انگریزی قانون میں بیان کردہ سزا کے مطابق فیصلے کرتا ہے) تو کیا وہ مکمل دائرۃ اسلام سے خارج ہو گیا یا نہیں؟

آیت کا شان نزول:

پہلے اس آیت کی شان نزول (پس منظر) سمجھتے چلیں، اس کے بعد اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسرین (متقدمین و متاخرین) کے اقوال بیان کیے جائیں گے۔ اگر ہم اس بحث کو اچھی طرح سمجھ لیں تو ان شاء اللہ اسلام و کفر، جس کو جدید دجالی ذہنوں نے خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے، الگ الگ ہو جائیں گے۔

﴿... وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة: ۴۴)

”اور جو اللہ کے نازل کردہ (قرآن) سے فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ کافر ہیں۔“

معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحب نے اس کی شان نزول امام بغوی کے حوالہ سے اس طرح بیان فرمائی ہے:

”یہ زنا کا واقعہ ہے۔ خیبر کے یہودیوں میں یہ واقعہ پیش آیا اور تورات کی سزا کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کرنا لازم تھا۔ مگر یہ دونوں کسی بڑے خاندان کے افراد تھے۔ یہودیوں نے اپنی قدیم عادت کے مطابق یہ چاہا کہ ان کے لیے سزا میں کمی کی جائے اور ان کو یہ معلوم تھا کہ مذہب اسلام میں بڑی سہولتیں دی گئی ہیں، اس بناء پر اپنے نزدیک یہ سمجھا کہ اس سزا میں بھی تخفیف ہوگی۔ خیبر کے لوگوں نے اپنی برادری بنی قریظہ کے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اس معاملہ کا فیصلہ محمد (ﷺ) سے کرا دیں۔ چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ کا ایک وفد ان لوگوں کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا میں مبتلا ہوں تو ان کی کیا سزا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میرا فیصلہ مانو گے؟ انہوں نے اقرار کیا۔

اس وقت جبریل امین اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ ان کی سزا سنگسار کر کے قتل کر دینا ہے۔ ان لوگوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو بوکھلا گئے اور ماننے سے انکار کر دیا۔ جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ ان لوگوں سے یہ کہیں کہ میرے اس فیصلے کو ماننے یا نہ ماننے میں ابن صوریہ کو حکم بنا دو۔ اور ابن صوریہ کے حالات و صفات رسول اللہ ﷺ کو بتا دیئے۔ آپ ﷺ نے اس وفد سے پوچھا کہ کیا تم اس نوجوان کو جانتے ہو جو گورا مگر ایک آنکھ سے معذور ہے، فدک میں رہتا ہے، جس کو ابن صوریہ کہا جاتا ہے؟ سب نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا، آپ لوگ اس کو کیسا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ علمائے یہود میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ آگیا۔ آپ ﷺ نے قسم دے کر پوچھا کہ اس صورت میں تورات کا کیا حکم ہے؟ وہ بولا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم آپ نے مجھ کو دی ہے! اگر آپ قسم نہ دیتے اور مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ غلط بات کہنے کی صورت میں تورات مجھے جلا ڈالے گی تو میں یہ حقیقت ظاہر نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طرح تورات میں بھی یہی حکم ہے کہ ان دونوں کو سنگسار کر کے قتل کر دیا جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم پر کیا آفت آئی کہ تم تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو؟ ابن صوریہ

نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ زنا کی شرعی سزا تو ہمارے مذہب میں یہی ہے لیکن ہمارا ایک شہزادہ اس جرم میں مبتلا ہو گیا، اس کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا، سنگسار نہیں کیا۔ پھر یہی جرم ایک معمولی آدمی سے سرزد ہوا تو ذمہ داروں نے اس کو سنگسار کرنا چاہا۔ تو مجرم کے خاندان والوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر شرعی سزا اس کو دینی ہے تو پہلے شہزادے کو دوورنہ ہم اس پر یہ سزا جاری نہ ہونے دیں گے۔ یہ بات بڑھی تو سب نے مل کر صلح کر لی کہ سب کے لیے ایک ہی بلکی سزا تجویز کر دی جائے اور تورات کا حکم چھوڑ دیا جائے، اور اب یہی سب میں رواج ہو گیا۔"

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اس آیت کی شان نزول اسی واقعے کو قرار دیا ہے۔ دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ تورات میں مذکور یہ سزا منہ کالا کر کے دونوں کو الٹا گدھے پر بٹھا کر شہر کے چکر لگوانا پھر کوڑے مارنا تھی۔

چند قابل غور باتیں:

آ. آپ ان یہود کا تورات کی سچائی و صداقت پر ایمان دیکھیے کہ وہ غلط بات کہنے کی صورت میں اس بات سے ڈر رہا ہے کہ تورات اس کو جلاڈالے گی۔ اس کے ساتھ اللہ کی وحدانیت پر یقین بھی ملاحظہ فرمائیے کہ قسم دینے جانے پر ایسا سچ بولنے پر آمادہ ہو گیا جس سے اس کی پوری قوم و مذہب کی بے عزتی ہوتی تھی۔

ب. انہوں نے تورات کے حکم سنگسار کا اس طرح انکار نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے منزل من اللہ (اللہ) کی جانب سے نازل کردہ) ہونے کے منکر ہو گئے تھے، بلکہ انہوں نے تورات کے حکم کے مقابلہ میں اپنی طرف سے ایک اور قانون منظور کر لیا تھا، اور اسی کو نافذ کر دیا تھا۔

ج. علمائے یہود نے تورات کے اندر رجم کرنے کے حکم کو مٹا کر اپنا ترمیم شدہ قانون کسی دستاویز یا دستور کی شکل میں لکھا نہیں تھا اور نہ ہی تورات کے قانون کے مقابلے میں کوئی دستور تحریری طور پر تیار کیا تھا۔ بلکہ ابھی تک تورات میں اللہ کا نازل کردہ قانون رجم ہی موجود تھا، یہ ترمیم صرف زبانی کلامی کی گئی تھی۔ جبکہ آج اللہ کے قرآن کے مقابلے میں ایک دستور تحریری طور پر تیار ہے جس کو پڑھایا جاتا ہے اور قرآن کی بجائے اسی کو جبراً ملک میں نافذ کیا گیا ہے۔ اس کے اندر بے شمار خلاف شرع ترمیمات موجود ہیں پھر بھی اس کو اسلامی کہا جاتا ہے۔ گویا قرآن اسلامی نہیں بلکہ اسلامی وہ ہے جو آئین پاکستان میں ہے۔ یا جو چور کے ہاتھ کاٹنے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کے قوانین محمد ﷺ لے کر آئے وہ اسلامی نہیں، بلکہ اسلامی وہ ہیں جو قوانین پاکستان میں ہیں؟

د. اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نازل کردہ قانون میں ترمیم کرنے والوں پر کفر کا حکم لگایا گیا۔

اب آپ ذرا غور فرمائیے کہ آج جمہوریت کے لادین علم بردار اور اس کے مسلح محافظین بھی تو ایسا ہی کر رہے ہیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بدتر جو یہود کرتے تھے۔ آپ آج جمہوریت میں شریک سیکولر جماعتوں کو دیکھیے کہ وہ کس ڈھٹائی کے ساتھ اس قرآن کے احکامات کو وحشت و درندگی کہتے ہیں، اس کو فرسودہ اور تاریک دور کے قوانین کہتے ہیں، قوت کے زور پر اس کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں، اس میں نہ کسی شرافت، نہ ہی کسی خوفِ الہی کی پروا کرتے ہیں..... پھر کیا وجہ ہے کہ یہود تو اس حکم ما أنزل الله (اللہ کے قانون) کے مطابق فیصلہ نہ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے سے مطلقاً کافر اور ان جاحدین و منکرین کے حق میں اتنے دلائل کہ کبھی ان کو پکا سچا مسلمان ثابت کیا جائے، کبھی امام المسلمین بنادیا جائے!

ومن لم يحکم بما أنزل اللہ اور مفسرین کرام:

اب آئیے اس آیت کو امت کے ان مفسرین کی تفاسیر سے سمجھتے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔
امام المفسرین ابن جریر طبریؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ: وَمَنْ كَتَمَ حُكْمَ اللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَهُ فِي كِتَابِهِ، وَجَعَلَهُ حُكْمًا بَيْنَ عِبَادِهِ فَأَخْفَاهُ، وَحَكَمَ بغيرِهِ، كَحُكْمِ الْيَهُودِ..... ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ يَقُولُ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ لَمْ يَحْكُمُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَلَكِنْ بَدَّلُوا وَغَيَّرُوا حُكْمَهُ وَكَتَمُوا الْحَقَّ الَّذِي أَنْزَلَهُ فِي كِتَابِهِ. ﴿هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ يَقُولُ: هُمُ الَّذِينَ سَتَرُوا الْحَقَّ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِمْ كَشَفَهُ وَتَبَيَّنَهُ وَعَطَّوْهُ عَنِ النَّاسِ وَأَظْهَرُوا لَهُمْ غَيْبَهُ وَقَصَبُوا بِهِ لِسْحَنَ أَخَذُوهُ مِنْهُمْ عَلَيْهِ“۔

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جس نے اللہ کے اس حکم کو چھپایا جو اس نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جس کو اپنے بندوں کے مابین قانون بنایا ہے، چنانچہ اس نے اس قانون کو چھپایا اور یہود کی طرح اس کے علاوہ سے فیصلہ کر دیا..... [وہ کافر ہیں] یعنی یہ لوگ جو اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی شریعت کو تبدیل کر دیتے ہیں اور اس حق کو چھپا جاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے۔

[ایسے لوگ کافر ہیں] جنہوں نے اس حق کو چھپایا جس کا کھول کر بیان کرنا ان پر لازم تھا، اور لوگوں کی آنکھوں سے اس حق کو اوجھل رکھا، اور لوگوں کے سامنے اس حق کے علاوہ دوسری بات ظاہر کی، اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا، رشوت کی وجہ سے جو انہوں نے لی تھی۔“

فائدہ:

امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ آج کے عدالتی نظام میں مکمل پائی جاتی ہے۔ اللہ کے نازل کردہ قانون کو چھپانا، یعنی مقدمات کے دوران کبھی اس کا ذکر ہی نہ کرنا کہ زیر بحث مقدمات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے بلکہ اپنے بنائے قانون ہی کو اسلامی آئین کہنا اور یہ کہنا کہ ہماری عدالتیں اسلامی آئین کی رو سے ہی فیصلے کرتی ہیں، اللہ کے قانون میں تبدیلی کرنا (جیسے شادی شدہ زانی کو سنگسار کی بجائے چند سال جیل کی سزا وغیرہ)..... یہ سب وہی باتیں ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہود کو کافر قرار دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”مَنْ جَحَدَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ أَقْرَبَهُ وَلَمْ يَحْكَمْ فَهُوَ ظَالِمٌ فَاسِقٌ“۔

”جو اللہ کی حدود (سنگساری، کوڑے مارنا وغیرہ) میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے، تو وہ کافر ہو گیا۔ اور جس نے ان سب باتوں کا اقرار کیا لیکن ان قوانین کے مطابق فیصلے نہیں کیے تو وہ ظالم و فاسق ہے۔“

حضرت عکرمہؒ نے فرمایا:

”معناه: ومن لم يحکم بما أنزل اللہ جاحداً به فقد كفر، ومن أقربه ولم يحکم به فهو ظالم فاسق“۔

”اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو وہ واقعی کافر ہو گیا۔ اور جو اس قانون کا اقرار کرے اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ ظالم و فاسق ہے۔“

قرآن کے قانون پر ایمان لانا..... ایک شبہ اور اس کی وضاحت:

ومن لم يحکم بما أنزل اللہ کے بارے میں اسلاف نے جو یہ فرمایا جاحداً به (یعنی جو اللہ کے قانون

کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو وہ واقعی کافر ہو گیا)، اس سے لوگوں کو شاید یہ شبہ ہوا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو قرآن کا حصہ یا اللہ کا نازل کردہ ہونے کا یقین نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی اس پر ایمان رکھتے ہوئے قرآن کے قانون کے علاوہ سے فیصلے کرتا ہے تو وہ کفر اکبر نہیں بلکہ کفر مجازی یا کفر دون کفر (یعنی چھوٹا کفر) ہے۔

وضاحت:

ایسا سمجھنا اسلاف کی عبارت کو سمجھنے میں غلطی ہے۔ یعنی جس طرح خوارج نے اس آیت سے مطلقاً کفر اکبر مراد لیا اور اعتدال کے راستے سے ہٹ گئے، اسی طرح اس آیت میں بیان کیے گئے کفر کو مطلقاً کفر دون کفر یا کفر اصغر قرار دینا بھی اہل سنت کے راستے سے ہٹ جانا ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کفر دون کفر کو مطلقاً نہیں استعمال کیا ہے بلکہ صحابہ کے دفاع میں بیان کیا ہے۔

علمائے اہل سنت والجماعت نے اس میں تفصیل بیان کی ہے جس کو گزشتہ بحث میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اسلاف نے واضح طور پر یہ فرمایا ہے کہ یہ حاکم اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ متعلقہ مقدمے میں قرآن کے قانون سے فیصلہ کرنا اس پر واجب ہے، اور اس کے خلاف کرنے پر خود کو گناہ گار اور سزا کا مستحق سمجھتا ہو۔ صرف اتنا کافی نہیں کہ وہ ان قوانین کو قرآن کا حصہ سمجھے اور اس کے مطابق فیصلے کو واجب نہ سمجھے۔ یہودی بھی ان آیات کو، جو رجم کے بارے میں تھیں تورات کا حصہ مانتے تھے، لیکن فیصلے میں اس کی جگہ دوسرا قانون بنالیا تھا اور اسی کو شرعی قانون ثابت کر رہے تھے۔ چنانچہ قرآن نے ان کے اس عمل کو کفر اکبر قرار دیا۔ نیز یہ بات ذرا غور کرنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کو منزل من اللہ یعنی اللہ کی نازل کردہ نہ مانے تو وہ صرف اس نظریہ کی وجہ سے ہی فوراً کافر ہو جائے گا۔ اس کے بارے میں یہ بحث کرنا فضول ہے کہ قرآن کے قانون کے علاوہ سے فیصلہ کرنے سے کافر ہوتا ہے یا نہیں؟ لہذا اس آیت کا یہ مطلب ہو سکتا۔ علمائے امت نے اس کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ قرآن کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہو اور اس کے علاوہ کسی بھی قانون سے فیصلہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہو۔

چنانچہ ابو جعفر نحاس (۳۸۸ھ) نے فرمایا:

”میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ بات کہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب نہیں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اللہ کے ایک قانون کو رد کر دیا۔“

ابو جعفر نحاس کا یہ قول واضح طور پر اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ کسی بھی محکم حکم کو بطور قانون واجب نہ سمجھنا اجماعاً کفر ہے۔ ابو جعفر نحاس نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ شخص اس حکم رجم کو منزل من اللہ (اللہ کی نازل کردہ) نہ مانے تب کافر ہوگا، بلکہ فرمایا: ”رجم کرنے کو واجب نہ سمجھے“ یعنی اس کو بطور قانون واجب نہ سمجھے۔

اس بات کو امام بیضاوی، امام ابو بکر جصاص، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم جوزیہ، امام ابن ابی العزحنفی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ وغیرہ نے اور زیادہ واضح اور کھول کر بیان کیا ہے۔ اہل علم حضرات کو امام صاحب کی عبارت میں غور کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے من لم یحکم کی تفسیر میں اختصار کے طور پر صرف اتنا فرمایا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن ان کی مراد وہی ہے جو دیگر مفسرین امت کی ہے کہ اس سے فیصلے کو واجب سمجھتا ہو (دلائل آگے آرہے ہیں)۔

انکار کی تعریف:

سب سے پہلے ہمیں انکار کی تعریف سمجھنی چاہیے کہ شریعت کے احکام کا انکار کس کو کہتے ہیں؟ جو لوگ جمہوری نظام میں موجود حکام و ججوں کو اس آیت کی رو سے کافر نہیں مانتے، انکو تکذیب یا انکار کی تعریف میں مغالطہ ہوا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت میں تکذیب یا انکار کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زبان سے یہ کہے کہ میں اس قرآن کو یا اسکے کسی حکم کو نہیں مانتا۔

حالانکہ شریعت میں تکذیب یا انکار کی یہ تعریف نہیں ہے۔ بلکہ امام شامیؒ تکذیب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قوله (تکذیبه) المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذي مرأى عدم الإذعان والقبول لما علم مجيئه به ضرورة أي علما ضروريا لا يتوقف على نظرواستدلال. وليس المراد التصريح بأنه كاذب في كذا لأن مجرد نسبة الكذب إليه كفر“.

”تکذیب سے مراد عدم تصدیق یعنی ان باتوں کو تسلیم اور قبول نہ کرنا جن کا لانا محمد ﷺ سے قطعی (یقینی) علم سے ثابت ہے، جس کے لیے نظری و استدلالی علم کی ضرورت نہیں۔ اور تکذیب کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صراحتاً یہ کہے کہ وہ (محمد ﷺ) اس بات میں (العیاذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ کیونکہ جھوٹ کی صرف نسبت ہی آپ ﷺ کی جانب کفر ہے۔“

امام شامیؒ کی اس عبارت سے تکذیب یا انکار کے معنی معلوم ہو گئے۔ کہ قبول اور تسلیم نہ کرنا۔ زبان سے انکار ضروری نہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ نے قرآن کی آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخَرِّمُوكَ﴾ [النساء: ۶۵] کی تفسیر میں یہی بات بیان فرمائی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اسی طرح علاء الدین بخاری حنفیؒ (متوفی ۷۳۰ھ) نے اپنی کتاب ”کشف الاسرار“ میں فرمایا:

”لَوْ اعْتَقَدَ الْكُفْرَ بِقُلُوبِهِ وَلَمْ يَفْرِ بِلِسَانِهِ يَكْفُرُ وَتَبَيَّنَ مِنْهُ أَمْرُهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ وَكَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ“.

”اگر دل سے کفر یہ عقیدہ رکھا اور زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا، تو کافر ہو جائے گا اسکی بیوی کو طلاق بائن ہو جائے گی، (فیما بینہ وبين الله) اور جہنمیوں میں سے ہوگا۔“

سواب سوال یہ ہے کہ دل کا حال کیسے معلوم ہوگا۔ اس کا جواب علماء امت نے یوں دیا ہے کہ شارع نے بعض افعال کو تکذیب کے قائم مقام اور نشانی قرار دیا ہے۔ اور ان افعال کے کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ شامی، اور المسایرة)

چنانچہ آج قرآن کی احکام والی آیات کا جو انکار کیا جا رہا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے۔ کہ کسی بھی جج سے پوچھیے تو وہ زبان سے یہی کہے گا کہ میں پورے قرآن کو منزل من اللہ (اللہ کا نازل کردہ) مانتا ہوں۔ لیکن زنا کے جرم کی سزا وہ ہے جو ہمارے آئین میں موجود ہے۔ گویا وہ قرآن کے حکم یعنی قانون کو واجب نہیں سمجھتا بلکہ ملک کے آئین کے قانون کو واجب سمجھتا ہے۔ اس پر اسکو کوئی ندامت و احساس گناہ بھی نہیں ہوتا۔

نصف صدی سے زائد عرصہ گذرا یہ ریاستیں قرآن کے قانون کو اتنی بھی اہمیت نہیں دیتی جتنی کہ بھارت کے ہندو آئین کو دیتی ہیں۔ کیونکہ اکثر ان عدالتوں میں بھارت کی عدالتوں کے فیصلوں کو حجت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن قرآن کے قانون کو قبول کرنے سے رکی ہوئی ہیں۔ اسکو کبھی حجت اس طور پر نہیں بنایا جاتا کہ یہ منزل من اللہ ہے۔

اب ہم اس انکار کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کسی حکم کے انکار کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ ایک جج اپنے ملک کے آئین کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اس آئین کی فلاں شق کے بارے میں میں یہ تسلیم ہی نہیں کرتا کہ یہ آئین کا حصہ ہے۔

۲۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس شق کو آئین کا حصہ تو مانتا ہوں کہ آئین بنانے والوں نے ہی یہ شق آئین میں رکھی ہے۔ لیکن اسکو بطور قانون تسلیم نہیں کرتا مثلاً فلاں جرم کی فلاں سزا۔

۳۔ وہ شق کو آئین کا حصہ بھی مانتا ہے۔ اس کو بطور قانون بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہی قانون ہے لیکن ساری عمر اس کے قوانین کو قبول کرنے سے رکا رہتا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے بجائے اپنی طرف سے کوئی سزا جاری کرتا رہتا ہے۔

۴۔ وہ شق کو آئین کا حصہ بھی مانتا ہے۔ اس کو بطور قانون بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہی قانون ہے اور ساری عمر اسی قانون کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہے لیکن زندگی میں ایک بار یا کبھی کبھار اس کے خلاف فیصلہ سناتا ہے۔ مثلاً قتل ثابت ہونے پر اس کی سزا عمر قید تھی، لیکن یہ اسکو تین دن کی سزا سناتا ہے اور بری کر دیتا ہے۔

اسی طرح قرآن کے حکم و قانون کے انکار کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ وہ قرآن میں زنا کی سزا والی آیت کا سرے ہی سے انکار کرتا ہے کہ یہ قرآن کا حصہ ہے (العیاذ باللہ)۔

۲۔ وہ اس آیت کو دل سے قرآن کا حصہ تو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے حکم و قانون کو بطور قانون قبول نہیں کرتا۔ وہ (صراحتاً یا اپنے عمل سے) کہتا ہے کہ زنا کی سزا جو قرآن میں بیان کی گئی اس کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری (واجب) نہیں ہے۔

۳۔ اس آیت کو قرآن کا حصہ بھی مانتا ہے، اس کو بطور حکم و قانون بھی زبان سے تسلیم کرتا ہے لیکن ساری عمر قرآن سے فیصلہ کرنے کے بجائے کسی اور قانون سے فیصلہ کرتا رہتا ہے۔

۴۔ اس آیت کو قرآن کا حصہ بھی مانتا ہے، اس کو بطور حکم و قانون بھی زبان سے تسلیم کرتا ہے اور ساری عمر اسی قانون کے مطابق فیصلے سناتا ہے لیکن ایک مقدمے میں عمل یعنی فیصلہ شریعت کے حکم کے خلاف کر بیٹھا۔ جب وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کر بیٹھا تو ظاہر ہے خود کو گناہگار بھی سمجھے گا۔

پہلی صورت میں اس جج کے کافر ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

جبکہ دوسری صورت میں وہ اس حکم کو منزل من اللہ تو مان رہا ہے لیکن اس حکم کو قانون کے طور پر واجب نہیں سمجھتا اور اس کو قبول نہیں کرتا۔ قانون کے وجوب کا انکار کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ بھی قرآن کے انکار کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ زانی کی سزا قرآن و سنت سے ثابت ہے جس کا یہ انکار کر رہا ہے۔ لہذا اس کے کفر میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

تیسری صورت اگرچہ وہ قرآن کی آیت یا قانون کا انکار تو نہیں کر رہا ہے لیکن ساری عمر اس کے قانون کو قبول نہ کرنا اس کے خلاف قانون کا اختیار کرنا یہ بتا رہا ہے کہ یا تو یہ قرآن کے اس قانون کو دل سے تسلیم ہی نہیں کرتا یا اس قانون سے بہتر اس قانون کو سمجھتا ہے جس کے مطابق ساری عمر فیصلے کرتا رہا ہے۔ چنانچہ دونوں ہی صورتوں (زبان سے اقرار دل سے انکار یا کسی اور قانون کو اللہ کے قانون سے بہتر سمجھنے) میں یہ بالاتفاق کافر ہوگا۔ کیونکہ شریعت میں بعض افعال ایسے ہیں جو انکار کے معنی میں سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص زبان سے قرآن کو اللہ کی کتاب کہتا ہو لیکن (نعوذ باللہ) وہ اس کو کوڑے میں پھینک دے، یا یوں کہے کہ اس سے اچھی تو بندوں کی گیتا ہے یا انگریزوں کی کتابیں ہیں، یا اس کے مقابلے کسی اور کتاب کے

ساتھ اس سے زیادہ احترام کا معاملہ کرے، یا اس کے برابر کسی قانون و دستاویز کو سمجھ تو تمام فقہاء کے نزدیک اس کو قرآن کے انکار کے معنی میں سمجھا جائے گا۔ اور ایسا شخص کافر ہوگا۔

چنانچہ روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے بہت عمدہ نکتہ بیان فرمایا :

”ولا شك أن من لم يحكم بشيء مما أنزل الله تعالى لا يكون إلا غير مصدق ولا نزاع في كفره“۔

”اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو اللہ کے نازل کردہ قانون میں سے کسی قانون سے بھی فیصلہ نہ کرے تو وہ (قرآن) کی تصدیق کرنے والا نہیں ہوگا، اور اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

اب اگر کوئی ’سرکاری مولوی‘ اس کی وکالت کرتے ہوئے یہ کہے کہ دل سے تو یہ قرآن کو اللہ کی کتاب ہی مانتا ہے۔ اس لئے علماء حق کہیں گے کہ ہم اس کے دل کے بھید نہیں جانتے کہ دل میں کیا ہے اس کا جو ظاہر ہے وہ یہ بتا رہا ہے کہ یہ قرآن کو نہیں مانتا، ورنہ اس کو کوڑے میں پھینکنے کی جرأت نہ کرتا۔ اسی پر حکم لگایا جائے گا۔ اور اس ’سرکاری مولوی‘ کی بات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔

اعتراض:

طالب علم یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جب اس آیت میں انکار سے مراد حکم کے وجوب کا انکار ہے نہ کہ نفسی آیت کا انکار تو اس بات کو مفسرین کرام نے صراحتاً کیوں نہیں لکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء اسی بات کو بیان کرتے ہیں جو ان کے دور میں ان کو درپیش ہوتی ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے المعروف کالمذکور کہ جو بات سب کے نزدیک معروف ہو جانی پہچانی ہو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

چنانچہ ان کے ادوار میں قرآن کے حکم کو (بطور قانون) واجب ماننا بالکل معروف تھا اس کا تصور ہی نہ تھا کہ کوئی قاضی یا حاکم قرآن کے حکم کو بطور قانون واجب نہ سمجھے۔ یہ صورت حال برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد تک بھی قائم تھی۔ تاریخ میں ایسا بھی ہوا کہ کسی مسلم علاقے پر کافروں نے قبضہ کر لیا لیکن وہاں شریعت ہی نافذ رہی، قاضی اور مسلمان حکام کو باقی رکھا جاتا تھا جو مسلمانوں کے تمام معاملات کو شریعت کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ اتنی معروف چیز کو مفسرین و فقہاء نے صراحت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

جس طرح نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں نماز نہ پڑھنا کفر کی علامت تھی۔ یعنی اس معاشرے میں صرف کافر ہی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا :

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرَكُ الصَّلَاةِ»
”کفر و اسلام میں فرق کرنے والی چیز نماز چھوڑنا ہے۔“

لیکن اس کا مطلب آج کوئی بھی عالم یہ نہیں لیتا کہ کفر و اسلام میں تمیز کرنے والی چیز صرف نماز ہی ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ کوئی مسلمان کفریہ عقائد رکھے یا کلمات کفر بکے، اور پھر جاکر مسجد میں نماز پڑھے، تو صرف اس نماز پڑھنے کی بنا پر مسلمان سمجھا جائے گا۔ نہیں بلکہ پہلے اس کو اس کفر سے توبہ کرنی ہوگی جو اس نے بکا ہے، ورنہ توبہ سے پہلے وہ جتنی چاہے نمازیں پڑھتا رہے خواہ حرم میں جاکر پڑھے اس کو کافر ہی سمجھا جائے گا۔

چنانچہ اس کے علاوہ بھی کتب فقہ میں اس کی بہت سی مثالیں آپ کو مل جائیں گی کہ فقہاء مشہور بات کو یا تو بیان ہی نہیں کرتے یا اجمالاً بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کے دور میں سب لوگ

اس کا پورا مطلب سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

اہم وضاحت: تکذیب اور جحود میں فرق

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا: جاحداً لہ یعنی قرآن کے علاوہ فیصلہ کرے اسکو جحود کرتے ہوئے۔

اس جحود کا مطلب کیا ہے؟

لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ جحود کا مطلب ان آیات کو منزل من اللہ (اللہ کی نازل کردہ) ہونے کا انکار کرنا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جحود کے معنی ہیں حق کو پہنچان لینے کے باجود ضد یا عناد کی وجہ سے اس کا انکار کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں فرمایا:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ (الأنعام آیت: ۳۳)
 ”بے شک وہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔“

اس کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ نے فرمایا:

”أَيُّ: وَلَكِنَّهُمْ يُعَانِدُونَ الْحَقَّ وَيَدْفَعُونَهُ بِصُدُورِهِمْ“

”لیکن وہ حق سے ضد رکھتے ہیں۔“

امام ابوسعودؒ اس کی تفسیر میں جحود کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جحود علم رکھنے کے باجود اس کا انکار کرنا ہے۔

اور امام ابو حیان (۶۵۴ھ-۷۴۵ھ) اپنی تفسیر ”البحر المحیط“ میں جحود کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

”وَالْجُحُودُ انْكَارُ الشَّيْءِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ وَهُوَ ضِدُّ الْإِقْرَارِ----- وَإِنْ كَانَتْ نَزَلَتْ فِي الْمُعَانِدِينَ تَرْتَبُ الْجُحُودُ حَقِيقَةً وَكُفْرُ الْعِنَادِ يَدُلُّ عَلَيْهِ ظَوَاهِرُ الْقُرْآنِ وَهُوَ وَقَعَ أَيْضًا كَقِصَّةِ أَبِي جَهْلٍ مَعَ الْأَخْنَسِ بْنِ شَرِيقٍ“

”جحود کسی حقیقت کو پہچان لینے کے باجود اس کے انکار کا نام ہے۔ اور وہ اقرار کی ضد ہے۔ اگر یہ آیت (انعام آیت ۳۳) معانیدن (یعنی ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو شریعت یا اسلام کو پہچان لینے کے باجود ضد کی وجہ سے نہیں مانتے) تو حقیقتاً جحود (انکار) موجود ہے۔ اور کفر عناد پر قرآن کا ظاہر دلالت کر رہا ہے۔ جو موجود بھی ہے۔ جیسا کہ ابو جہل اور اخنس بن شریق کا واقعہ۔“

یہ واقعہ امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے ابو جہل سے پوچھا: مجھے محمد (ﷺ) کے بارے میں بتا کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں قریش میں سے کوئی نہیں ہے جو تمہاری اور میری بات سن سکے۔ ابو جہل نے کہا: تیرا ناس ہو۔ اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد سچے ہیں۔ محمد نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابو جہل کا بھی ہے۔

اس بحث سے دو باتیں سمجھ میں آئیں:

اول: جحود کے معنی کہ ضد اور عناد کی وجہ سے کسی چیز کا انکار ہے اسکا علم رکھنے کے باجود ۔

دوم: شریعت یا اسلام کو حق کہنے کے باجود اس کو قبول کرنے سے رکے رہنا یہ کفر عناد ہے۔ چنانچہ مفسرین نے آیت تحکیم کی تفسیر میں جو لفظ ’جاحداً‘ بیان کیا اس کے معنی یہی ہیں کہ قرآن کے قانون کا حق و سچ ہونا تو تسلیم کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کرتے۔ یہ کفر کی بدترین

قسم ہے جس کو کفر عناد کہا جاتا ہے۔

اب آئیے تحکیم کی مزید تفسیر دیکھتے ہیں:

”وقال ابن مسعود، والسدي: من ارتشى في الحكم وحكم فيه بغير حكم الله فهو كافر“۔

”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام سدیؒ نے فرمایا: جس نے فیصلہ کرنے میں رشوت لی اور اس فیصلہ میں اللہ کے قانون کے علاوہ سے فیصلہ کر دیا تو وہ جج کافر ہے۔“

فائدہ:

ان دونوں حضرات کے نزدیک ایسا شخص بالکل کافر ہے۔

”قال ابن مسعود والحسن: هي عامة في كل من لم يحكم بما أنزل الله من المسلمين واليهود والكفار أي معتقدا ذلك ومستحلا له فأما من فعل ذلك وهو معتقد أنه راکب محرم فهو من فساق المسلمين...“

”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ نے فرمایا: یہ آیت مسلمانوں اور یہودیوں اور دیگر کفار میں سے ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔ یعنی جو اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرے اور اپنے اس فعل کے صحیح اور (قانونی) ہونے کا نظریہ رکھتا ہو (تو وہ شخص صریح کافر ہے)۔ البتہ جو اس کام کو حرام سمجھتے ہوئے کرے تو وہ فاسق مسلمانوں میں سے ہے۔“

ذرا آج کے نظام جمہوریت میں غور کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ کیا ان عدالتوں والوں کی نہایت غالب اکثریت اپنے فیصلوں کو گناہ سمجھتی ہے؟ وہ تو اپنے نزدیک بہت بڑا خیر کا کام کر رہے ہیں۔ اور کیا یہ عدالتیں غیر قرآن سے فیصلے کرنے کو حلال یعنی قانونی نہیں سمجھتی؟ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

”جی ہاں! لیکن تم (یعنی یہ امت) ان یہود کے راستے پر قدم بقدم چلو گے۔“

علامہ آلوسیؒ نے ”روح المعانی“ میں امام شعبیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے:

”سورة مائده کی یہ تینوں آیات (ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون فأولئك هم الفاسقون فأولئك هم الظالمون)، ان میں سے پہلی اس امت کے لیے ہے، دوسری یہود اور تیسری نصاریٰ کے بارے میں ہے۔“

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

”اس بنیاد پر یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت یہود و نصاریٰ سے بدتر ہوگی۔“

آج کفریہ عدالتوں کو اسلامی ثابت کرنے والے اور کفریہ جمہوری نظام کو اسلامی قرار دینے والے یہود و نصاریٰ سے آگے نہیں بڑھ تو اور یہ سب کیا ہے؟

”تفسیر ابن جزی“ میں بھی امام شافعیؒ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ:

”اس آیت میں کافر ہونے کا حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے (یعنی جو اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہ کریں)۔“

تفسیر قاسمی میں مذکور ہے:

”وقال إسماعيل القاضي الجهمي في (أحكام القرآن): ظاهر الآيات يدل على أن من فعل مثل ما فعلوا- يعني اليهود- واخترع حكما يخالف به حكم الله، وجعله ديناً يعمل به فقد لزمه مثل ما لزمهم من الوعيد المذكور. حاكما كان أو غيره۔“

”اور قاضی اسماعیلؒ جہمی (۲۰۰ھ-۲۸۲ھ) نے احکام القرآن میں فرمایا: ان آیات کا ظاہر یہ

بتاربا ہے کہ جس کسی نے بھی ایسا کام کیا جو یہود نے کیا تھا اور کوئی ایسا قانون وضع کیا جو اللہ کے قانون کے مخالف ہو، اور اس کو دستور بنالیا جس پر وہ عمل کرتا ہو، تحقیق کہ ایسے (شخص، جج یا ریاست - راقم) پر وہی مذکورہ وعید لازم لے گی جو یہود پر آئی وہ خواہ حاکم ہو یا غیر حاکم۔"

مشہور حنفی فقیہ اور مفسر امام نسفی (۷۱۰ھ وفات) تفسیر نسفی میں فرماتے ہیں:

"أی مستهیناً به۔"

"یعنی جو اللہ کی شریعت کو کم اہم سمجھتے ہوئے، اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔"

تو کیا آج جمہوری نظام کے مقابلہ میں نفاذ شریعت کو بے وقعت ہی نہیں سمجھا جا رہا؟ تو پھر توپ و تفنگ اور جنگ کس بات کی؟ دہلی کی سپریم کورٹ کس کی عظمت کی داستان سناتی ہے؟ اسلام آباد کی عدالت عالیہ میں اللہ کے قانون کا کیا حشر کیا جاتا ہے؟ پارلیمنٹ کا بنایا قانون وحی سے اعلیٰ، اور وحی کا قانون اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک پارلیمنٹ اس کو منظوری نہ دے! بتائیے کون اہم ہے اور کون غیر اہم؟ کس قانون کی رٹ کو قائم رکھنے کے لیے سوات تا وزیرستان جنگ جاری ہے؟ حالانکہ مجاہدین تو مطالبہ ہی اللہ کی شریعت کا کر رہے ہیں؟

امام بیضاوی (۶۹۱ھ وفات) کا نام کس طالب علم کے لیے نیا ہے؟ آپ نے تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیریوں فرمائی ہے:

"﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ مستهیناً به منكرأ له ﴿فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ لاستهانتهم به وتمردهم بأن حكموا بغيره، ولذلك وصفهم بقوله ﴿الكَافِرُونَ﴾۔"

"اور جس نے اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کیا، اس قانون کو کم اہم سمجھتے ہوئے (اس کے علاوہ کو زیادہ اہم سمجھا) اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے، تو وہ کافر ہے۔ اس قانون کو کم اہم سمجھنے کی وجہ سے اور اس کے علاوہ سے فیصلے پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو الکافرون قرار دیا۔"

بتائیے کون غیر اسلامی قوانین پر ڈٹا ہوا ہے اور اس کے لیے جنگ کرتا ہے؟ اسی طرح علامہ زمخشری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے تفسیر کشاف میں یہی تفسیر کی ہے۔

تنبیہ:

علامہ زمخشری اور امام بیضاوی کا یہ قول کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی قانون سے فیصلے پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے وہ کافر ہیں، آج جمہوری عدالتی نظام پر کتنا صادق آتا ہے۔ یہ عدالتیں غیر قرآن سے فیصلوں پر سالوں سے ڈٹی ہوئی ہیں، بلکہ قرآن کے مقابلے میں بنائے گئے قوانین کی رٹ کو یقینی بنانے کے لیے لڑنے کو جہاد کہتی ہیں..... کیا اہل حق اس کا حکم بیان کر پائیں گے؟ ابو الفرج ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ) "زاد المسیر" میں فرماتے ہیں:

"...من لم يحكم بما أنزل الله جاحداً له، وهو يعلم أن الله أنزله، كما فعلت اليهود، فهو كافر...۔"

".....جس نے اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کیا، اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ کا نازل کردہ قانون ہے، جیسا کہ یہود نے کیا تھا، تو وہ کافر ہے.....۔"

اس سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے جو اس آیت کے ضمن میں یہ فرمایا کہ "جو اللہ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے اللہ کے قانون کے علاوہ سے فیصلہ کرے"، اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ اس کو اللہ کی کتاب کا حصہ نہ مانتا ہو، بلکہ یہ ہے کہ وہ اس

کے مطابق فیصلہ کرنے کے واجب ہونے کا اعتراف نہ کرتا ہو۔

مفتی شفیق صاحب نے ”معارف القرآن“ میں ومن لم يحکم بما أنزل الله کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

”یعنی جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو واجب نہیں سمجھتے اور ان پر فیصلہ نہیں دیتے بلکہ ان کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں وہ کافرو منکر ہیں، جن کی سزا دائمی عذابِ جہنم ہے۔“

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:

”یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی لیکن ہمارے اوپر بھی یہ واجب ہے۔“

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

”اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو قرآن کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔“

اسی طرح ابوالبختریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ:

”جی! (البتہ یاد رکھو کہ) بنی اسرائیل بھی تمہارے بھائی ہیں اگر تم یہ سوچتے ہو کہ میٹھا میٹھا تو سارا تمہارے لیے ہے اور کڑوا کڑوا سارا بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ نہیں! بلکہ تم ضرور ان کے طریقے کی پیروی کرو گے۔“ (والعیاذ باللہ)

یعنی جو بات اپنے اوپر دشوار گزرے اس کو کہیں کہ یہ حکم تو بنی اسرائیل کے لیے تھا اور جس میں نفس پہ کوئی دشواری نہ ہو اس کو خود اپنائیں۔

امام فخر الدین رازیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”جن حضرات نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا کہ یہ یہود کے بارے میں ہے، (فرمایا) یہ ضعیف دلیل ہے کیونکہ تفسیر میں اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا۔“

مزید فرماتے ہیں:

”امام عطاءؒ (تابعی) نے فرمایا: یہ ’کفر دون کفر‘ ہے یعنی ’ہاں کفر سے مراد کفر اصغر ہے‘ اور امام طاؤسؒ (تابعی) نے فرمایا: ’یہ ایسا کفر نہیں جو ملت سے خارج کردے جیسا کہ اللہ اور یوم آخرت کا انکار ملت سے خارج کر دیتا ہے‘۔ گویا ان حضرات نے اس آیت کو کفرِ نعمت کہا ہے، یہ قول بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ لفظ کفر جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے کفر فی الدین (یعنی بڑا کفر۔ راقم) مراد ہوتا ہے۔“

جن حضرات نے یہ کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تمام مقدمات میں اللہ کے قوانین کے خلاف فیصلے کرے وہ کافر ہے، البتہ جو بعض مقدمات میں ایسا کرے وہ کافر نہیں ہے۔ امام رازیؒ اس کا بھی رد فرماتے ہیں:

”...لو كانت هذه الآية وعيداً مخصوصاً بمن خالف حكم الله تعالى في كل ما أنزل الله تعالى لم يتناول هذا الوعيد اليهود بسبب مخالفتهم حكم الله في الرجم، وأجمع المفسرون على أن هذا الوعيد يتناول اليهود بسبب مخالفتهم حكم الله تعالى في واقعة الرجم قال عكرمة: قوله ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ إنما يتناول من أنكر بقلبه وجحد بلسانه، أما من عرف بقلبه كونه حكم الله وأقر بلسانه كونه حكم الله، إلا أنه أتى بما يضاده فهو حاكم بما أنزل الله تعالى، ولكنه تارك له، فلا يلزم دخوله تحت هذه الآية، وهذا هو الجواب الصحيح والله أعلم۔“

”اگر اس آیت میں خاص ان لوگوں کے لیے وعید ہوتی جو تمام فیصلوں میں اللہ کی شریعت کی

مخالفت کریں تو اس میں ان یہود کے لیے وعید نہ ہوتی جو حکم رجم میں اللہ کی شریعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ جبکہ تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ان یہود کے لیے وعید ہے جو واقعہ رجم میں اللہ کی شریعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ عکرمہ کا کہنا ہے: اس آیت میں اس شخص کا حکم ہے جو اللہ کے قانون کا دل سے انکار کرے اور زبان سے انکار کرے۔ البتہ وہ شخص جو دل سے اس قانون کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرے اور زبان سے بھی اس کا اقرار کرے، لیکن عملاً اس کے مخالف فیصلہ کرے تو وہ اللہ کے قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے والا کہلانے گا، لیکن اس کو چھوڑنے والا ہوگا، چنانچہ وہ اس آیت میں داخل نہیں۔ یہی جواب صحیح ہے۔“

وضاحت:

یہاں پھر یاد دلانے چلیں کہ امام رازیؒ نے جو دل کی تصدیق اور زبان سے اقرار کی بات کی ہے، اس سے مراد وہی ہے جو پہلے بیان کیا گیا، کہ اس کے مطابق فیصلے کے واجب ہونے کا اقرار کرتا ہو۔ نیز یہ بات بھی یاد رہے کہ امام رازیؒ یہ حکم اس ریاست، حاکم یا جج کا بیان کر رہے ہیں جو باقی تمام احکام میں قرآن کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور صرف ایک قطعی اور صریح شرعی حکم میں قرآن کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک سے لے کر تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد (۶۵۶ھ بمطابق ۱۲۵۷ء) تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قرآن کے مقابلے میں کسی اور قانون کو بطور آئین ملک میں نافذ کیا گیا ہو۔ اس امت میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ عدالتیں قرآن کے علاوہ کسی انسان کے بنائے آئین کے مطابق فیصلے کریں۔ غیر قرآن سے فیصلہ کرنے کی زیادہ سے زیادہ صرف یہ صورت ہوتی تھی کہ جج رشوت لے کر فیصلے میں دُھندلی ماردیتا۔ چنانچہ مذکورہ آیت کے ضمن میں جو بھی بحث بڑے کفر یا چھوٹے کفر کی رہی وہ اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر کی جاتی رہی، کیونکہ علماء عموماً انہی باتوں کو بیان کرتے ہیں جو ان کے دور میں عامۃ المسلمین کو درپیش ہوتی ہیں۔ لیکن جب عالم اسلام پر تاتاری حملہ آور ہوئے، دار الخلافہ بغداد پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن نظام حکومت قرآن کی بجائے ایک ایسے آئین سے چلانے لگے جو کچھ چنگیز خان کا بنایا ہوا تھا اور کچھ شقیں اسلام سے بھی جمع کر لی گئی تھیں۔ اس کو ”الیاسق یا الیاس“ کہا جاتا تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے اس قانون کے بارے میں فتویٰ دیا کہ: ”جس نے اس شریعت محکمہ کو چھوڑا جو محمد ابن عبد اللہ ﷺ پر جو کہ خاتم النبیین ہیں، نازل ہوئی، اور منسوخ شریعتوں میں سے کسی کے پاس فیصلہ لے کر گیا تو وہ کافر ہو گیا۔ تو اس شخص کا کیا انجام ہوگا جو (چنگیز خان کے بنائے آئین) الیاس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کو شریعت محمدی ﷺ پر مقدم رکھے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا شخص باجماع امت کافر قرار دیا جائے گا۔“

سو آپ سوچے کہ قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی کہنا..... یہ کتنا بڑا جرم ہے؟

ابو جعفر نحاسؒ (۳۸۸ھ) نے فرمایا:

”میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ بات کہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب نہیں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اللہ کے ایک قانون کو رد کر دیا۔“ مشہور حنفی فقیہ امام ابوللیث سمرقندیؒ (وفات ۳۷۵ھ) نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

”یعنی: إذا لم یقر، ولم یبین..... یعنی: هذه الآیة عامة فمن جحد حکم الله فهو من الکافرين“۔
 ”یعنی جب وہ کسی مسئلے میں اللہ کی شریعت کے مطابق سزا کے حق و سچ ہونے کا اقرار نہ کریں،
 اور نہ اس قانون کو بیان کریں..... یعنی یہ آیت عام ہے جو اللہ کی شریعت کا انکار کرے وہ کافروں
 میں سے ہے۔“

برصغیر کے اہل علم طبقے کے لیے نواب صدیق حسن خان بھوپالی (وفات ۱۳۰۷ھ) کوئی اجنبی
 شخصیت نہیں۔ نواب صاحب ”نیل المرام“ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
 ”اس آیت میں لفظ من عام ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ حکم کسی خاص ایک جماعت کے لیے نہیں
 ہے بلکہ اس کا حکم ہر حاکم یا جج کے لیے ہے۔“
آیت کی تفسیر اور تاریخی پس منظر:

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفر دون کفر یعنی
 چھوٹا کفر ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر تابعین کا یہ مطلقاً مسلک نہیں ہے کہ
 حاکم یا جج جیسے چاہے اللہ کے قرآن کے خلاف فیصلے سناتا رہے وہ برحال میں زیادہ سے زیادہ
 فاسق ہوگا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ کفر دون کفر خوارج کے رد میں کہا گیا ہے۔ ایک خاص پس منظر
 میں کہا گیا ہے۔ گویا ان کی یہ تفسیر خوارج کے لئے جواب ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ خوارج اس آیت
 کو دلیل بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ و مسلمان امراء کی تکفیر کیا کرتے
 تھے۔ اس فتنے نے اتنا زور پکڑا کہ ان کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنی پڑی۔ اس
 کے علاوہ یہ خوارج پروپیگنڈے میں بہت تیز تھے، سادہ لوح مسلمانوں کو اس آیت سے دلیل دے کر
 گمراہ کر دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس آیت کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تکفیر کی نشانی
 بنادیا تھا۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین بھی اس کا جواب دیتے وقت اسی فتنے کو سامنے رکھتے اور
 اپنے جواب میں یہی ثابت کرتے کہ اس آیت میں وہ کفر مراد نہیں جو تم (خوارج) صحابہ میں ثابت
 کرنا چاہتے ہو۔

اس لئے تمام مفسرین کے اقوال میں آپ یہی بات مشترک پائیں گے کہ وہ اس بحث میں خوارج کا
 رد کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوجاتا۔
 اس لئے اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ کرنے میں اسی صورت کو بیان کرتے ہیں جو زیادہ سے
 زیادہ گناہ کبیرہ ہو۔

دلیل:

اس لئے امام شاطبیؒ اپنی مشہور کتاب ’موافقات‘ میں فرماتے ہیں:
 ”هذه الآیة والايتان بعدھا نزلت في الکفار، ومن غیر حکم الله من اليهود، وليس في أهل الإسلام منها
 شيء؛ لأن المسلم -وان ارتكب کبيرة- لا يقال له: کافر“۔
 ”یہ آیت اور اس کے بعد والی دو آیتیں کفار کے بارے میں نازل ہوئیں، اور یہود میں سے جس نے اللہ
 کے قانون کو تبدیل کیا، اور اہل اسلام کے لئے ان میں سے کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان اگرچہ گناہ
 کبیرہ کا مرتکب ہو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔“

خوارج کے رد کا یہ وہ خلاصہ ہے جس کو امام شاطبیؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ”کیونکہ
 مسلمان اگرچہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔“
 حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ’فتح الباری‘ میں یہی بات بیان کی ہے:
 ”إن الآيات، وإن كان سبها أهل الکتاب، لكن عمومها يتناول غیرهم، لكن لما تقرر من قواعد
 الشريعة: أن مرتكب المعصية لا يسمى: کافراً۔“

”یہ شک ان آیات کا سبب اگرچہ اہل کتاب ہیں لیکن اس کا عموم ان کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔ (یعنی مسلمانوں کو)۔ لیکن شریعت کا یہ اصول طے ہے کہ معصیت کے مرتکب کو کافر نہیں جلائے گا۔“

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین اللہ کے قانون سے فیصلہ نہ کرنے کی صرف اس صورت کو بیان کر رہے ہیں جو زیادہ سے زیادہ ایسا گناہ کبیرہ ہے جو ملت سے خارج نہیں کرتا ہے۔ جس کو کفر دون کفر کہا گیا ہے۔ یہ جواب تھا خوارج کے لئے، کیونکہ خوارج گناہ کبیرہ والی صورت کو ملت سے خارج کرنے والے کفر کے قائل تھے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کے قانون کے علاوہ فیصلے کی وہ صورتیں جو سب کے نزدیک کفر ہیں، ان کو کوئی مسلمان کر بیٹھے تو وہ پھر بھی کافر نہیں ہوگا۔ پھر بھی اس کو کفر دون کفر کہا جائے گا۔

چنانچہ صحابہ و تابعین کے دور کے بعد بھی یہ بحث (گناہ کبیرہ سے مسلمان کا کافر نہ ہونا) مشہور و معروف رہی ہے، اور اسکے رد میں علماء اہل سنت والجماعت نے مدلل کتابیں تحریر کی ہیں۔

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب:

چنانچہ عبد اللہ ابن عباسؓ کا یہ قول کہ، ”لیس الکفر الذی یدھبون إلیہ“، ”یہ وہ کفر نہیں جو وہ مراد لیتے ہیں“، خود بتا رہا ہے کہ یہ خوارج کے رد میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ خوارج اس آیت کو بنیاد بنا کر بغیر کسی تفصیل کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر کفر کا حکم لگاتے تھے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یدھبون إلیہ (جو کفر وہ مراد لیتے ہیں) صاف بتا رہے ہیں کہ یہ گفتگو خوارج کے جواب میں ہے، کیونکہ اہل سنت کا یہ مسلک تھا ہی نہیں کہ وہ اس آیت کو بنیاد بنا کر نعوذ باللہ کسی صحابی رسول ﷺ کو کافر قرار دیتے۔ لہذا جب اہل سنت کا یہ مسلک تھا ہی نہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں یہ کیوں فرماتے، ”جو کفر وہ مراد لیتے ہیں“۔ یہ بات خوارج کے رد میں کہی ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم الرازیؒ میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ کے مذہب کا پتہ دیتا ہے:

”یَقُولُ: مَنْ جَعَلَ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ شَيْئًا فَقَدْ كَفَرَ“.

”جس نے اللہ کی حدود میں سے کسی بھی حد کا انکار کیا تحقیق کہ وہ کافر ہو گیا۔“

امام ابن جریر طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے:

”ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس لیے کہ اللہ کے حکم (قانون) کا انکار کرنا بعد اس کے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یہ ایسا ہے جیسے نبی ﷺ کا انکار کرنا، بعد اس کے کہ اس کو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا علم ہے۔“

نتیجہ:

دیکھئے ابن عباسؓ کا یہ جملہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ابن عباسؓ کا مذہب یہ نہیں کہ حاکم یا جج اگر اس آیت کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ دے تب وہ کافر ہوتا ہے۔ بلکہ منزل من اللہ مانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے۔ تب بھی کافر ہو جائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کے بارے میں ابن عباسؓ کا اصل مذہب یہی ہے کہ یہاں انکار سے مراد آیت کا انکار نہیں بلکہ اللہ کے قانون کو ضروری (واجب) سمجھنے کا انکار ہے۔ ورنہ تو ابن

عباسؑ اللہ کی کسی بھی حدود کے انکار کو کفر نہ کہتے بلکہ اس کے ساتھ وہی شرط لگاتے کہ وہ اس حدود کے منزل من اللہ ہونے کا بھی انکار کرتا ہو۔

اسی طرح مشہور تابعی ابو مجلزؒ کی وہ گفتگو ہے جو آپ سے بنی عمرو بن سدوس کے لوگوں نے اس بارے میں کی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ خواج تھے۔ ابو مجلزؒ نے ان کو یہی سمجھایا کہ اس آیت میں مطلقاً کفر کا حکم نہیں ہے بلکہ تفصیل ہے۔

اس بحث میں اگر ایک تاریخی پس منظر کو ہم سمجھ لیں تو اس آیت کی تفسیر سمجھنا انتہائی آسان ہو جائے گا۔ یہ دو روایات ہیں، جن کو امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اٹرنمبر ۱۲۰۲۵ اور ۱۲۰۲۶ کے تحت روایت کیا ہے۔ اس روایت میں جو گفتگو ہے وہ حضرت ابو مجلزؒ اور بنی عمرو بن سدوس کے لوگوں کے درمیان ہے۔ یاد رہے کہ حضرت ابو مجلزؒ نے تابعین میں سے ہیں اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔ جبکہ بنو عمرو بن سدوس کے جو لوگ آپ سے بات کرنے آئے تھے یہ لوگ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، بعد میں خواج بن گئے تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہؓ نعوذ باللہ مرتد ہو گئے۔ دلیل کے طور پر وہ اس آیت کو پیش کرتے تھے کہ جو اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ چنانچہ اس بحث نے اس دور میں زیادہ زور پکڑا۔ لہذا صحابہ اور تابعین نے ان کے جواب میں یہ فرمایا کہ اس آیت سے جو تم حضرت علی اور دیگر صحابہ میں کفر ثابت کرنا چاہتے ہو، وہ یہ نہیں ہے۔ حضرت علیؓ میں وہ چیز پائی ہی نہیں جارہی جو تم ثابت کرنا چاہتے ہو، لہذا اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا باطل ہے۔ آپ حضرت ابو مجلز کے الفاظ کو دیکھیں تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ ابو مجلزؒ سے خواج نے پوچھا کہ ان تینوں آیتوں (جس میں اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرنے والے کے بارے میں کافر، فاسق اور ظالم ہونے کا بیان ہے) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ حق ہیں؟ ابو مجلزؒ نے جواب دیا: جی ہاں! خواج نے پوچھا: تو کیا یہ امراء اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

”مودینہم الذی یدینون بہ، وہ یقولون، إلیہ یدعون، فإن ہم ترکوا شینا منہ عرفوا أنهم قد أصابوا ذنباً“۔

”یہ شریعت ہی تو ان کا دین اور نظام ہے جس کو وہ بطور دین اپناتے ہیں، اسی کے وہ قائل ہیں اور اسی کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا ہے۔“

اگے اور گفتگو ہے پھر آخر میں فرمایا کہ:

”یہ آیت یہود و نصاریٰ اور مشرکین اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں ہے۔“

یعنی جو مسلمان امراء و حکام اسی شریعت کو انہیں کے طور پر اپنے ملک میں نافذ کر دیں، اسی نفاذ شریعت کے قائل ہوں، اور اسی کی دعوت دیں، پھر اگر کسی قانون پر عمل کرنے میں سستی یا تاخیر ہو جائے تو خود کو گناہ گار سمجھیں، تو یہ آیت ایسے امراء کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ تو ان حکمرانوں کے بارے میں ہے جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرح ہو جائیں کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ بیٹھیں۔ نہ اس کو ملک میں انہیں کے طور پر نافذ کریں، نہ اس کی بات کریں، اور نہ ہی اس کی دعوت دیں۔ یعنی ملک میں شریعت بھی نافذ نہ کریں اور ان کی عدالتیں غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلے کریں اور پھر خود کو گناہ گار بھی نہ سمجھیں، تو اس وقت ایسے حکمران یہود و نصاریٰ کی طرح مکمل کافر ہوں گے۔ لیکن تم (خواج) جن صحابہ کو اس آیت کی رو سے کافر ثابت

کرنا چاہیے ہو تو یاد رکھو یہ آیت ان کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ یہ آیت یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مقدمات میں یہودیوں جیسے کام کریں۔

اب شاید آپ بات کو سمجھ گئے ہوں گے کہ جن صحابہ یا تابعین مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا کہ یہ مسلمانوں کے بارے میں نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے تو ان کا مطلب یہی ہے کہ خوارج اس کو صحابہ پر منطبق کرنا چاہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کفر سے پاک تھے جو اس آیت میں بیان کیا گیا، جو یہود کے اندر تھا کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے بنائے آئین سے فیصلہ کرتے تھے اور اللہ کی شریعت کو چھوڑ بیٹھے تھے، پھر اس کو اپنے لیے قانونی اور آئینی قرار دے دیا تھا چنانچہ خود کو اس برے فعل پر گناہ گار بھی نہیں سمجھتے تھے۔

البتہ ان مفسرین کے نزدیک بھی اس آیت کا حکم عام ہے۔ یعنی وہ باتیں جو یہود میں تھیں، اگر کسی مسلمان ریاست، حاکم یا جج میں وہ باتیں پائی جائیں گی تو وہ بھی یہود کی طرح مکمل کافر ہوگا۔ جیسا کہ ابو مجلز کی روایت میں یہ موجود ہے کہ، ”جو ان یہود و نصاریٰ کی طرح کرے گا، یہ آیت ان کے بارے میں ہے۔“

یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ امام المفسرین ابن جریر طبری نے اس آیت پر خوب بحث کے بعد اپنی رائے اس طرح بیان فرمائی ہے:

”ابو جعفر ابن جریر طبری فرماتے ہیں: میرے نزدیک ان تمام اقوال میں زیادہ درست یہ قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات بھی یہود کے بارے میں ہیں..... تو اگر کوئی کہنے والا یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس حکم کو ہر اس شخص کے لیے عام رکھا جو اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرے تو آپ نے کس طرح اس کو (یہود کے ساتھ) خاص کر دیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا عام حکم بیان کیا ہے جو اللہ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے چھوڑتے ہیں، چنانچہ فیصلہ میں اللہ کے قانون کو اس طرح چھوڑنے والے، جس طرح ان (یہود نے) چھوڑا، کافر ہیں۔ اسی طرح جو کوئی بھی اللہ کے حکم کا انکار کرتے ہوئے چھوڑے گا وہ کافر ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس لیے کہ اللہ کے حکم (قانون) کا انکار کرنا بعد اس کے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یہ ایسا ہے جیسے نبی ﷺ کا انکار کرنا، بعد اس کے کہ اس کو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا علم ہے۔“

یہاں کافر ہونے سے کیا مراد ہے؟

اب تک کی بحث سے اتنی بات سمجھ میں آچکی کہ اس آیت، ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُضْ بِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَالْوَلُؤُكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ میں جو یہ بیان کیا گیا کہ، ”جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں“، اس کا فرہونے کی تفصیل اسلاف امت نے بیان کی ہے، جو خوارج سے ہٹ کر اور آج کے جدید مرجئہ سے بچ کر اہل سنت والجماعت کا راستہ ہے۔ اب اس کو ہم مزید تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ شریعت میں کفر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

ا. کفر اکبر: اس کو کفر حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا کفر ہے جو دائرۃ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

ب. کفر اصغر: اس کو کفر مجازی بھی کہتے ہیں۔ اسی کو علماء ”کفر دون کفر“ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسا کفر ہے جو دائرۃ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

جو لوگ اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کرتے، ان کے بارے میں سلف صالحین کی بیان کردہ تفسیر کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین و فقہاء، مفسرین اور محدثین رحمہم اللہ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ:

..... اگر کوئی قرآن کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب نہ سمجھے، تو یہ کفر اکبر میں مبتلا ہے۔ لہذا وہ ایسا کافر ہے جو دائرۃ اسلام سے مکمل خارج ہو چکا۔ لیکن اگر کوئی قرآن کے قانون سے فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہے، لیکن عملاً اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، البتہ اپنے اس عمل کو گناہ سمجھتا ہے تو یہ کفر اصغر ہے، جو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ ایسا شخص فاسق ہے۔

یہ بات مشہور تابعی حضرت ابو مجلز کے حوالے سے پیچھے گذر چکی ہے۔ یہاں یاد دہانی کے لئے دوبارہ اسکو نقل کرتے ہیں:

هو دينهم الذي يدينون به، وبه يقولون، إليه يدعون، فإن هم تركوا شيئا منه عرفوا أنهم قد أصابوا ذنبا“۔

”یہ شریعت (قرآن) ہی تو ان کا دین اور نظام ہے جس کو وہ بطور دستور اپناتے ہیں، اسی کے وہ قائل ہیں اور اسی کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا ہے۔“

حضرت ابو مجلز کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ جو قرآن کو بطور آئین اختیار نہ کرے، اس کا اقرار نہ کرے، اور اسی کی دعوت نہ دے، پھر اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دے تو خود کو گناہگار بھی نہ سمجھے تو ایسا شخص ضرور کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح پیچھے اسکی تفسیر میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری کے اقوال گذر چکے ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

اس بات کو امام صدر الدین، ابن ابی العز حنفی (۷۳۱ھ تا ۷۹۲ھ) نے ”شرح عقیدۃ الطحاویہ“ میں مزید تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب علمائے عرب میں بھی مقبول ہے۔ یاد رہے کہ ”عقیدۃ الطحاویہ“ عقیدے کی مشہور کتاب ہے جو تمام بڑے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور امام طحاوی احناف کے چوٹی کے اماموں میں سے ہیں۔

فرماتے ہیں:

”وهنا أمر يجب أن يتفطن له، وهو: أن الحكم بغیر ما أنزل الله قد يكون كفرا ينقل عن الملة، وقد يكون معصية: كبيرة أو صغيرة، ويكون كفرا: إما مجازيا، وإما كفرا أصغرا، على القولين المذكورين، وذلك بحسب حال الحاكم؛

فإنه إن اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب، وأنه مخير فيه، أو استهان به مع تيقنه أنه حكم [الله] فهذا كفر أكبر

وإن اعتقد وجوب الحكم بما أنزل الله، وعلمه في هذه الواقعة، وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة، فهذا عاص، ويسمى كافرا كفرا مجازيا، أو كفرا أصغرا.

وإن جهل حكم الله فيها، مع بذل جهده واستفراغ وسعه في معرفة الحكم وأخطأ، فهذا مخطئ، له أجر على اجتهداده، وخطؤه مغفور“۔

”یہاں اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرنا، کبھی ایسا کفر ہوتا ہے جو دائرۃ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور کبھی گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہوتا ہے اور کبھی کفر مجازی یا کفر اصغر ہوتا ہے۔ اس بات کا تعلق حاکم کی حالت سے ہے۔

اگر حاکم (یا ریاست۔ راقم) یہ نظریہ رکھتا ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، (اور اس کا یہ نظریہ ہے کہ) وہ اس فیصلہ کرنے میں بااختیار ہے (چاہے اللہ کے قانون سے فیصلہ کرے چاہے اس کے علاوہ سے) یا حاکم (یا ریاست۔ راقم) اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو اہمیت نہ دے، اگرچہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ اللہ کا قانون ہے، تو یہ تمام صورتیں کفر اکبر (یعنی ایسا کفر جو مرتد بنا دیتا ہے) کی ہیں۔

اور اگر وہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہے، اور اس فیصلہ میں اس کو اللہ کے قانون کا علم بھی تھا، پھر اس قانون سے فیصلہ کرنے سے روگردانی کرجاتا ہے، اس اعتراف کے ساتھ کہ اس عمل سے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، تو ایسا حاکم (یا ریاست۔ راقم) گناہ گار ہے۔ اس کو ایسا کافر کہاجائے گا جو کفر مجازی یا کفر اصغر میں مبتلا ہے۔

اور اگر اس فیصلہ میں اللہ کے قانون سے ناواقف ہو، لیکن اس قانون کو جاننے کی جدوجہد کی اور حتی الامکان کوشش کی، پھر فیصلہ میں غلطی کرگیا تو یہ ”غلطی کرنے والا“ کہلائے گا۔ اس کو اس کے اجتہاد کی نیکی ملے گی اور اس کی خطا معاف ہے۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ”منہاج السنۃ“ میں فرماتے ہیں:

”ولا ریب أن من لم یعتقد وجوب الحکم بما أنزل اللہ علی رسولہ فہو کافر فمن استحل أن یحکم بین الناس بما یراہ ہو عدلا من غیر اتباع لما أنزل اللہ فہو کافر....“

”اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت سے فیصلے کے واجب ہونے کا نظریہ نہ رکھے تو ایسا شخص کافر ہے، چنانچہ شریعت کے علاوہ کسی (نظام) کو عدل وانصاف سمجھتے ہوئے لوگوں کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کو قانونی (حلال) سمجھے، وہ کافر ہے۔“

امام ابن قیمؒ (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ بمطابق ۱۲۹۲ء-۱۳۵۰ء) نے بھی ”مدارج السالکین“ میں یہی تفصیل بیان کی ہے جو امام ابن ابی العزحنفیؒ نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”والصحيح أن الحکم بغیر ما أنزل اللہ یتناول الکافرين، الأصغر والأکبر بحسب حال الحاکم.....“

”اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرنے میں دو قسم کا کفر ہو سکتا ہے، (ایک) چھوٹا کفر (دوسرا) بڑا کفر، اس کا دارو مدار حاکم کی حالت پر ہے.....“

اگے وہی تفصیل ہے جو امام ابن ابی العزحنفیؒ نے بیان کی ہے۔

پیچھے امام ابو جعفر نحاسؒ (۳۸۸ھ) کی تحقیق لکھی جاچکی ہے کہ فرمایا:

”میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ بات کہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب نہیں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اللہ کے ایک قانون کو رد کر دیا۔“

امام ابوبکر جصاص حنفیؒ نے ”احکام القرآن“ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے، جو آج ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو غیر اسلامی آئین کو اسلامی ثابت کرنے پر تے ہوئے ہیں، اور غیر اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی عدالتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی آئین کی رو سے فیصلے کرتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

”فَإِنْ كَانَ الْمَزَادُ جُحُودَ حُكْمِ اللَّهِ أَوْ الْحُكْمَ بِغَيْرِهِ مَعَ الْإِخْبَارِ بِأَنَّهُ حُكْمُ اللَّهِ، فَهَذَا كُفْرٌ يُخْرِجُ عَنِ الْمِلَّةِ وَقَاعِلُهُ مُرْتَدٌ....“

”اور اگر (اس آیت میں کفر سے) مراد اللہ کے قانون سے فیصلہ کرنے کا انکار یا قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کر کے یہ کہنا کہ یہ اللہ کے قانون سے فیصلہ کیا گیا ہے، تو یہ (دونوں صورتیں) ایسا کفر ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور ایسا کرنے والا مرتد ہے.....“

جمہوری عدالتیں اور جج:

جمہوری نظام کی عدالتیں صرف اسی قانون کے تحت فیصلہ دینے کو واجب سمجھتی ہیں جو قانون اس نظام کے تحت آئین کا حصہ قرار دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہ کسی بھی قانون کے مطابق فیصلے کو حرام یعنی غیر آئینی سمجھتی ہیں۔ اس قدر حرام سمجھتی ہیں کہ وہ اس قانون کے علاوہ کسی اور قانون (خواہ اللہ ہی کا ہو) کو پڑھنا بھی وقت کا ضیاع سمجھتی ہیں۔ ان کے کالجوں میں وہی کفریہ قانون پڑھایا جاتا ہے اور اسی پر مقدمہ لڑنے اور جج بننے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ کے قانون کا کوئی کتنا ہی بڑا عالم و مفتی کیوں نہ ہو، وہ ان کے نزدیک اس قابل ہی نہیں کہ اس کو وکالت یا جج کی سند عطا کی جائے۔ بلکہ یہ لوگ علماء کو حقیر اور جابل سمجھتے ہیں۔ اس سے ان کے عقیدے کا اندازہ کرنے میں اہل علم کو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے کہ ان کا ایمان کس قانون پر ہے۔ اللہ کے قانون پر یا اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پر؟ چلیے اگر کسی کو ضد ہے کہ وہ بغیر دلیل کے اپنی ضد پر ڈٹ کر ان کو پہلے زمرے (کفر اکبر و ال) میں شامل نہیں کرتا، تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ ان کو دوسرے زمرے میں کس طرح شمار کر سکتا ہے جبکہ امام ابن ابی العزحنفیؒ کفر اصغر والی صورت میں یہ شرط بیان کر رہے ہیں کہ، ”اللہ کے قانون کے علاوہ فیصلہ کرنے والا یہ یقین رکھتا ہو کہ ایسا کرنے سے وہ عذاب کا مستحق ہوگا؟“ آپ ذرا جمہوری نظام کے تحت چلنے والی عدالتوں اور ججوں کا حال ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس دھڑلے سے اللہ کے قانون کے علاوہ سے فیصلے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو عذاب کا مستحق سمجھنا تو دور کی بات، خود کو منصف، قاضی اور اللہ کا ولی شمار کرتے ہیں۔ لہذا ایک حرام بلکہ کفر کرنے کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھنا تمام علمائے امت کے نزدیک ایسا کفر ہے جو دین سے خارج کر دیتا ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک بھی یہ لوگ دوسرے زمرے میں داخل نہیں سمجھے جائیں گے۔

علمائے حق سے چند گزارشات:

کیا موجودہ پارلیمنٹ، عدالتیں اور ان کے جج یہ نظریہ نہیں رکھتے کہ:

تمام مقدمات (خصوصاً سود، زنا، چوری وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ سنانا ان پر واجب نہیں ہے بلکہ ان پر واجب اس قانون کے مطابق فیصلہ سنانا ہے جو پارلیمنٹ میں منظور ہو کر آئین کا حصہ بنادیا گیا؟

مفسرین نے تو مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ ایسا استخفافاً أو استحللاً کرے یعنی اگر کوئی حاکم یا جج قرآن کے قانون کو کم اہم سمجھتے ہوئے، یا اس کو آئینی سمجھتے ہوئے، اسکے خلاف فیصلہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اور استخفاف (یعنی ہلکا یا حقیر سمجھنا) کے بارے میں امام شامیؒ فرماتے ہیں:

”قلت ویظہر من هذا أن ما كان دلیل الاستخفاف یكفر به وإن لم یقصد الاستخفاف“۔

”میں کہتا ہوں اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو فعل بھی (دین کے) کم اہم یا حقیر سمجھنے پر دلالت کرتا ہے، (اگر کوئی ایسا فعل کرے گا) تو کافر ہو جائے گا، اگرچہ اس نے استخفاف کا ارادہ نہ کیا ہو۔“

چنانچہ نصف صدی سے زائد تک قرآن کو دستور کے طور پر قبول نہ کرنا اور اپنی عدالتوں کا مرجع انسانوں کے منظور کردہ دستور کو بنائے رکھنا یہ تو استخفاف سے بھی بڑھ کر ضد اور عناد ہے۔

مفسرین و فقہائے امت اس وقت کفر اکبر کا حکم بیان کر رہے ہیں جبکہ حاکم یہ نظریہ رکھتا ہو

کہ اس کو اختیار ہے چاہے وہ قرآن سے فیصلہ کرے چاہے غیر قرآن سے۔ کیونکہ اس نے غیر قرآن کو قرآن کے برابر بنادیا جو کہ بالاتفاق کفر ہے۔

جبکہ یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ حاکم غیر قرآن سے فیصلہ کرنے کو ہی اپنے اوپر فرض کیے بیٹھا ہے۔ بلکہ وہ حلف ہی اس کا اٹھاتا ہے کہ وہ اسی آئین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی جانب سے منظور ہوگا۔

کیا موجودہ نظام قرآن و سنت سے فیصلہ کرنے کو اہمیت دیتا ہے؟ بلکہ یہ تو قرآن و سنت کے قانون (سنگساری، کوڑے، باتھ کائنا، قصاص، سود کی ممانعت وغیرہ) کے نفاذ کو قوت سے روکتا ہے، اس کو ناقابلِ عمل سمجھتا ہے۔ قرآن و سنت اور فقہ کے بجائے ان کے لاء کالجوں میں وہی قانون پڑھایا جاتا ہے جو انگریزوں نے بنایا ہے۔

کیا اس عدالتی نظام میں کوئی اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتا ہے؟
کیا غیر قرآن سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی آئین سے فیصلہ کرنے والی عدالت کہہ کر ان کو اسلامی قرار نہیں دیا جا رہا؟

سو علمائے حق سے درخواست ہے کہ وہ مفسرین و فقہاء کی یہ عبارات ان نام نہاد اہل علم کو اچھی طرح سمجھائیں:

”من جحد حکم الله استخفافا أو استحلالات“

نیز عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ یہ قول:

”اس لیے کہ اللہ کے حکم (قانون) کا انکار کرنا بعد اس کے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یہ ایسا ہے جیسے نبی ﷺ کا انکار کرنا، بعد اس کے کہ اس کو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا علم ہے۔“

نیز امام ابن ابی العزحنفیؒ کی یہ عبارت:

”...فإنه إن اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب، وأنه مغير فيه، أو استهان به مع يقينه أنه حكم [الله] فهذا كفر أكبر...“

”.....اگر حاکم (یا ریاست۔ راقم) یہ نظریہ رکھتا ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، (اور اس کا یہ نظریہ ہے کہ وہ اس فیصلہ کرنے میں باختیار ہے (چاہے اللہ کے قانون سے فیصلہ کرے چاہے اس کے علاوہ سے) یا حاکم (یا ریاست۔ راقم) اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو اہمیت نہ دے، اگرچہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ اللہ کا قانون ہے، تو یہ تمام صورتیں کفرِ اکبر (یعنی ایسا کفر جو مرتد بنادیتا ہے) کی ہیں.....“

اس عبارت میں بیان کی گئی ہر ایک بات الگ الگ، مستقل، کفرِ اکبر ہے۔ جبکہ اس باطل نظام میں یہ تمام کفرِ اکبر جمع ہیں۔

سو کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے اپنی عدالتوں کی بنیاد، مرجع و مأخذ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر انسانوں کو بنا لیا ہے کہ انسان جو بھی قانون بنادیں یہ عدالتیں اسی کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہیں، اسی پر عدلیہ میں حلف لیا جاتا ہے اور ساری عمر اسی حلف کی پاسداری و وفاداری میں گزاری جاتی ہے؟ اسی کے بدلے اجر (تنخواہ، پرموشن) اور اس کے خلاف کرنے پر عذاب (نوکری کا خاتمہ) کا یقین..... یہ سب کیا ہے؟

نیز امام صاحبؒ کی عبارت کے یہ الفاظ بھی نہایت غور طلب اور مدعا میں واضح ہیں کہ ”مع یقینه أنه حکم الله“ کہ حاکم اگرچہ یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ آیات و احکامات اللہ ہی نے نازل کیے ہیں لیکن اگر اس کے باوجود فیصلہ اس کے مطابق نہ دے تو بھی وہ کفرِ اکبر کا مرتکب ہے!

اسلام کے ساتھ دوسرا دین قبول نہیں:

اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ موجودہ جمہوری عدالتی نظام اللہ کے نازل کردہ قانون پر ایمان رکھتا ہے لہذا ان پر کفر اکبر کا حکم نہیں لگ سکتا۔ تو ان علماء سے درخواست ہے کہ جن مفسرین کی تفسیر پیچھے بیان کی گئی ہے اس کو دوبارہ پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ کیا موجودہ جمہوری نظام میں یہ باتیں نہیں پائی جا رہیں جن کو اسلاف امت نے کفر اکبر کہا ہے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کیا صرف زبان سے قرآن کو حق تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے؟ ایک طبقہ زبان سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان رکھتا ہے لیکن جس چیز کو قرآن نے کفر کہا، اس کو کفر نہیں مانتا، تو کیا یہ مسلمان ہو سکتا ہے؟ کیا یہ خود اپنے قول کی تردید نہیں کر رہا؟ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی ساری آیات پر پکا ایمان رکھتا ہے لیکن کسی خاص بت کو سجدے کرنے، اس کو مقدس ماننے، اس کی تعظیم کرنے اور اس کے لیے جینے مرنے کی قسم کھانے کو کفر تسلیم نہ کرے تو کیا دنیا کا کوئی سرکاری عالم اس کو کفر سے بچا سکتا ہے؟

کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص زبان سے کلمۂ طیبہ بھی پڑھتا ہو اور اس کے ساتھ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو بھی مانتا ہو؟ تو کیا اس کو مسلمان کہا جائے گا؟ پسرگز نہیں۔ کوئی بھی شخص ایک وقت میں دو دینوں کا اقرار کرے، یا اسلام کے مقابلہ میں کسی بھی دین کو اختیار کرے، یا دوسرے کسی بھی دین کو اچھا سمجھے، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس کا زبان سے اقرار معتبر نہیں ہوگا۔ جبکہ یہاں تو اس جمہوریت کی محافظ قوتیں (خصوصاً پارلیمنٹ، عدلیہ، فوج اور پولیس) اس دین جمہوریت کی حفاظت و وفاداری کا حلف اٹھاتی ہیں، اس کا زبان سے بھی اقرار کرتی ہیں اور ان کا عمل بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ جبکہ اسلام کے بارے میں ان کا عمل بغض و عناد ظاہر کر رہا ہے۔ یا کم از کم اسلامی شریعت کے نفاذ میں اس کی مخالفت اور اس نفاذ کو روکنے کے لیے ریاستی طاقت کا استعمال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس آئین کا مخالف ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کرائے، اور جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے دین کا مخالف ہے اس کا حکم علمائے حق سے پوچھا جاسکتا ہے۔

چلیے ہم اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور سرکاری علماء ہی کی بات مان لیتے ہیں کہ اس نظام کی محافظ قوتیں نفاذ شریعت کے بارے میں بغض و عناد نہیں رکھتیں۔ لیکن اتنا تو آپ بھی مان ہی لیجیے کہ ان کے دلوں میں اس جمہوریت کی محبت و تعظیم اس حد تک ہے کہ انہوں نے اس جمہوریت کو اللہ کے برابر قرار دے دیا۔ جس کو حرام (غیر قانونی) کر دیا جائے اس کو غیر قانونی (حرام) مان لیا جاتا ہے، جس کو حلال و قانونی کر دیا جائے وہ حلال ہو جاتا ہے۔ اس کی تعظیم، اس کا احترام، اس کی وفاداری اور اس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے تمام کام انجام دینے کی قسمیں کھانا..... یہ بغیر محبت کے کیسے ہو سکتا ہے؟

آئیے دیکھتے ہیں محمد ﷺ کی شریعت میں اس محبت و تعظیم کے بارے میں کیا کہا گیا ہے جو غیر اللہ کو اللہ کے برابر کر دے۔

غیر اللہ کو اللہ کے برابر درجہ دینا :

قرآن کریم نے ایسا کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿...إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الشعراء: ۹۸)

”جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔“

یہ اہل جہنم کے آپس میں جھگڑے کا بیان ہے جو وہ جہنم میں جانے کے بعد اپنے قائدین سے کریں گے!

امام ابن کثیرؒ اس کی تفسیریوں فرماتے ہیں:

”جہنمی اپنے قائدین سے جھگڑا کریں گے اور کہیں گے، تمہارے حکم کی ہم نے اس طرح فرماں برداری کی جس طرح رب العالمین کے حکم کی فرماں برداری کی جاتی ہے، اور ہم نے رب العالمین کے ساتھ تمہاری عبادت کی۔“

امام بیضاویؒ نے فرمایا:

”عبادت میں یہ جہنمی، ان (قائدین) کا حق ثابت کیا کرتے تھے۔“

یعنی اللہ کے ساتھ تمہیں (جھوٹے معبودوں کو) معبود مان کر عبادت میں تم کو رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔

امام ابن قیمؒ ”مدارج السالکین“ صفحہ ۲۶۰ پر فرماتے ہیں:

”فصل: وأما الشرك فهو نوعان: أكبر وأصغر. فالأكبر لا يغفره الله إلا بالتوبة منه، وهو أن يتخذ من دون الله ندا يحبه كما يحب الله وهو الشرك الذي تضمن تسوية آلهة المشركين برب العالمين..... إلى أن قال.... فذكر إلهه ومعبوده من دون الله...“

شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک اکبر، شرک اصغر۔

شرک اکبر: جس کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے معاف نہیں کریں گے، وہ یہ ہے کہ کوئی اللہ کے علاوہ کسی کو شریک بنالے، اس سے ایسی محبت کرے جیسے اللہ سے محبت۔ اس شرک کے ضمن میں وہ شرک آتا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے تھے، اسی لیے جہنم میں وہ اپنے معبودوں سے کہیں گے: ﴿إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اللہ کی قسم! ہم صریح گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر درجہ دیتے تھے۔“ یہ (اللہ کے برابر بنانا) ان کے اس اقرار کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ تہابی ہر چیز کے خالق و مالک اور رب ہیں۔ اس اقرار کے باوجود کہ ان کے معبود نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں، نہ کسی کو رزق دے سکتے ہیں، نہ کسی کو مار سکتے ہیں، نہ کسی کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر کرنا صرف ان معبودوں کی محبت اور عظمت کی وجہ سے تھا،..... مشرکین اپنے معبودوں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کرتے ہیں،..... اگر ان کے معبودوں کی توہین کی جائے تو یہ بھڑے ہوئے شیر کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی توہین کی جائے تو اتنا غصہ نہیں ہوتے۔“

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ:

”دنیا میں اکثر مشرکین اسی قسم کے شرک میں مبتلا رہے ہیں۔“

جمہوریت دراصل اسی شرک کی دعوت دیتی ہے۔ اگر آپ کسی جرنیل یا جج وغیرہ سے پوچھیں کہ اس دنیا کا خالق و مالک، رب اور رازق کون ہے؟ تو یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ۔ لیکن جب اسے کہا جائے کہ پھر اس جمہوری عدلیہ اور آئین ساز اسمبلی کو اللہ کے برابر بلکہ اللہ سے بڑا کیوں ثابت کرتے ہو؟ قرآن کے قانون کو اس وقت تک فیصلے کے قابل کیوں نہیں سمجھتے جب تک کہ غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی جانب سے اس کو منظوری نہ مل جائے؟ اسی طرح فوج و پولیس سے پوچھا جائے کہ تم اللہ کی حدود (مثلاً کوڑے مارنا، سنگسار کرنے) کا مذاق اڑانے پر غضبناک نہیں ہوتے، لیکن اگر جمہوری آئین کی رٹ کو چیلنج کیا جائے تو تم بھڑے ہوئے شیر کی طرح غرائے لگ جاتے ہو اور تمہاری ساری قوت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے؟ پھر تم اپنے ہی ہم وطنوں اور کلمہ گو مسلمانوں کو دُشمنوں، آنسو گیس اور طیاروں اور توپوں سے مارنے لگ جاتے ہو!

اے علمائے حق! اگر یہ آئین ساز اور عدلیہ اب بھی شرک اکبر میں مبتلا نہیں تو پھر شرک اکبر کس کو کہتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کو منصف (فیصلہ کرنے والا) بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵)

”سو قسم ہے تیرے رب کی! وہ مومن نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تجھ کو بی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے کے بارے میں دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور قبول کریں خوشی سے۔“

امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ کے احکامات میں سے کسی ایک کا رد کر دے یا رسول اللہ ﷺ کے احکامات میں سے کسی ایک کا رد کر دے، وہ اسلام سے خارج ہے، خواہ شک کی بناء پر رد کرے یا قبول نہ کرے یا قبول کرنے سے رک جائے، اور یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس مسلک کے صحیح ہونے کو ثابت کرتی ہے جس کے تحت صحابہ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر ان کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو غلام بنایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ جو کوئی بھی اپنے فیصلے اور قانون کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد نہ کرے وہ اہل ایمان میں سے نہیں ہے۔“

امام ابو بکر جصاصؒ ان لوگوں کو بھی رد کرنے والوں کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں جو اس کو قبول کرنے سے رک جائے۔ سو جو ۶۵ سال سے نفاذ شریعت سے رکے ہوئے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”رسول اللہ کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں۔ یعنی منافق لوگ کیسے بے بودہ خیال میں ہیں اور کیسے بے بودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں، ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول! اپنے تمام چھوٹے بڑے، مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلے اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے، اس وقت تک ان کو ہرگز ایمان نصیب نہیں ہو سکتا، اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔“

کیا رحمۃ للعالمین ﷺ کو صرف ربیع الاول کے مہینے میں نبی مانتے ہیں؟ سیرت النبی کی بڑی بڑی محفلیں، نعتیہ پروگرامات اور علمی مناظرے..... لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے معاملات میں حکم اور جج بنانے کا وقت آتا ہے تو رسول کو چھوڑ کر رسول کے دشمنوں کے قانون سے فیصلے کرانے چلے جاتے ہیں اور اسی قانون کے تقدس، وفاداری اور پاسداری کی قسمیں کھاتے ہیں۔ نبی پر یہ کیسا ایمان ہے؟ محسنِ انسانیت کے احسانوں کا بدلہ چکانے کا یہ کون سا انداز ہے؟ ختم نبوت پر یہ کیسا ایمان ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کی لائی شریعت کو عدالتوں سے نکال کر، نظام زندگی سے نکال کر، قادیانی اور اس کے آقاؤں کی عدالتوں پر ایمان ہے؟ اللہ کے دشمنوں کا بنایا طرز زندگی دنیا میں رائج ہے؟ اے غلامانِ مصطفیٰ! سوچو! کبھی تو سوچو..... دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچو۔ یہ کیسی وفا ہے؟ یہ کیسی محبت ہے؟ محمد ﷺ کو ہر میدان اور شعبہ میں نبی ملنے بغیر اس امت کی کشتی منزل پر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ ذلت جو اس امت پر دو سو سال سے مسلط ہے، اس وقت تک نہیں دور ہو سکتی جب تک کہ ہماری زندگیاں محمد ﷺ کی شریعت کے لیے داؤ پر نہ لگادی جائیں۔ نیز شریعت کے کسی بھی حکم کو تسلیم نہ کرنا، اس کی ادائیگی کو ممنوع قرار دینا، شریعت کی نظر میں دین سے پھر جانے کے زمرے میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ٦٠)

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی، وہ یہ جانتے ہیں کہ اپنے مقبضہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم کیا گیا ہے کہ وہ ان (طاغوتوں) کا انکار کریں، اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ ان کو بہت دور تک گمراہ کر کے رکھ دے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری، امام قرطبی اور امام ابواللیث سمرقندی رحمہم اللہ نے یہ روایات نقل کی ہیں:

”شعبیؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک منافق اور یہودی کے مابین کوئی تنازع ہوا، تو یہودی نے اس منافق کو فیصلے کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کو کہا، کیونکہ یہودی کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ رشوت نہیں لیتے ہیں۔ اور منافق نے اس یہودی کو کہا کہ فیصلہ تمہارے حکام (یعنی یہودیوں) سے چل کر کرتے ہیں، کیونکہ اس کو علم تھا کہ یہودی حکام فیصلے کرنے میں رشوت لیتے ہیں۔ چنانچہ جب ان دونوں میں اس بات پر اختلاف ہوا تو دونوں قبیلہ جہینہ کے ایک کابین کے فیصلہ کرانے پر متفق ہو گئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔“

”عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اور یہودی جس کا نام زفر تھا، میں کسی بات پر تنازع ہوا، تو یہودی نے کہا کہ ہمارے ساتھ محمد ﷺ کے پاس چلو اور منافق نے کہا کہ نہیں کعب بن اشرف سے چل کر فیصلہ کراتے ہیں۔ اور یہی (کعب بن اشرف) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے طاغوت کا نام دیا ہے، یعنی سرکشی کرنے والا۔ لیکن یہودی فیصلے کے لیے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کہیں اور جانے پر تیار نہیں ہوا۔ جب منافق نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اس یہودی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ چنانچہ (تنازع کی تفصیل سننے کے بعد) نبی کریم ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں، تم میرے ساتھ ابو بکر کے پاس چلو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں، اس لیے تم میرے ساتھ عمر کے پاس چلو۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو یہودی نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پریہ راضی نہیں ہوا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے دریافت کیا کہ کیا ایسا ہی ہے؟ منافق نے کہا، جی ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دونوں ذرا ٹھہرو میں آتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ اندر گئے اور تلواریں، پھر آ کر منافق کو تلوار کے وار سے ٹھنڈا کر دیا، اور فرمایا میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہونے والے کا اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ یہودی وہاں سے بھاگ گیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! تم فاروق ہو۔ اور جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ بلاشبہ عمر نے حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا ہے۔“

اس واقعہ سے واضح معلوم ہوا کہ جو شخص کلمے کا دعویٰ بھی کرتا ہو، اس کے باوجود قرآن و سنت کے فیصلے پر راضی نہ ہو، تو اس کی سزا قتل ہے۔

چنانچہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرانے کے لیے جب دعوت دی جائے تو مومنین کی شان قرآن نے یہ بیان کی ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (النور: ۵۱)

”بلاشبہ مومنین کا قول، جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی جانب فیصلے کے لیے بلایا جائے، یہی ہوتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا۔ اور وہی کامیاب ہیں۔“
جبکہ منافقین کی پہچان قرآن نے یہ بتائی ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ (النساء: ۶۱)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (کتاب) کی جانب جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول ﷺ کی جانب، تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔“
حکم بغیر ما أنزل الله کو ایک بار کرنے اور اس کو عادت بنا لینے میں فرق، اور اس کو بطور آئین (شریعت) نافذ کر دینا!

یہاں ذیل میں بیان کیے گئے اس فرق کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ:

ا. ملک میں نفاذ شریعت کے ہوتے ہوئے صرف ایک معاملے میں قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرنا۔

ب. ملک میں نفاذ شریعت کے ہوتے ہوئے قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کی عادت بنا لینا۔

ج. ملک میں نفاذ شریعت کی بجائے کوئی اور نظام رائج کرنا اور عدالتوں کا اس نظام کے تحت حلف اٹھانا اور فیصلے کرنا۔

کفر اکبر یا کفر اصغر کی بحث و تفریق ایسی ریاست، حاکم اور جج کے بارے میں ہے جو ملک میں نفاذ شریعت کے ہوتے ہوئے صرف ایک معاملے میں قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرے، یعنی یہ تفریق اس جرم کی پہلی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔

لہذا یہ بات سمجھنے کی ہے کہ دوسری صورت کے کفر ہونے میں تو کسی درباری مولوی کو بھی شک نہیں رہا ہے۔ جبکہ تیسری صورت کفر اکبر کی گندی ترین شکل ہے۔ اللہ کے ساتھ اس سے بڑا کفر تو بنی اسرائیل کے چھوٹے بھی نہیں کیا تھا۔ ان کے فیصلوں کا مرجع و مأخذ (Authority) بھی وحی (یعنی ان کی تورات) تھی، جبکہ جدید ابلیسی جمہوریت کا تو مرجع و مأخذ ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی شریعت ہے۔

سو ایسے کفر کو اسلام ثابت کرنا اپنے ایمان کو غارت کرنے والی بات ہے، اور ایسے کفر کو عوام کے سامنے بیان نہ کرنا بدترین کتمانِ حق ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

”ولا شك أن من لم يحكم بشيء مما أنزل الله تعالى لا يكون إلا غير مصدق ولا نزاع في كفره۔“

”اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو اللہ کے نازل کردہ میں سے کسی حکم کے مطابق بھی فیصلہ نہ کرے، وہ تو (قرآن) کی تصدیق کرنے والا ہی نہیں ہوگا، اور اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

جمہوری عدالتیں ۴۵ سال سے کس آئین سے فیصلہ کرتی آرہی ہیں؟ یقیناً غیر قرآن سے۔ اگرچہ آئین کی بعض شقوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسلامی ہیں، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ عدالتیں ان شقوں کے مطابق اس لئے فیصلہ نہیں کرتیں کہ یہ اللہ کی نازل کردہ ہیں بلکہ اس لئے کہ جمہوری پارلیمنٹ نے ان کو قانون کے طور پر نافذ ہونے کے قابل سمجھا ہے، اس لئے یہ عدالتیں ملک کے آئین کا حصہ سمجھ کر ان کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔

تنبیہ:

الغرض اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کفر دون کفر (کفر

اصغر) کا سہارا لے کر آج کی عدالتوں کو اس کا مصداق ثابت کرنا صریح خیانت اور عبد اللہ بن عباسؓ کی ذات پر بہتان ہے۔ کیونکہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کفر دون کفر کو مطلقاً نہیں استعمال کیا ہے بلکہ خواجہ کے رد میں بیان کیا ہے۔

قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی ثابت کرنا:

سو اس بحث کو سمجھ لینے کے بعد ہم تمام مسلمان بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ وہ موجودہ عدالتی نظام، جو شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرتی چلی آرہی ہیں، کے بارے میں یہ نہ کہا کریں کہ یہ عدالتیں تو ۷۳ کے آئین کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں، اور ۷۳ کا آئین اسلامی ہے، لہذا یہ عدالتیں اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی ہیں۔ یہ اللہ کی ذات اقدس پر اتنا بڑا بہتان ہے کہ جس سے آسمان ٹوٹ کر گر جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

امام ابو بکر جصاص حنفیؒ نے ”احکام القرآن“ میں اس نکتے کو بیان فرمایا ہے جو آج ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو غیر اسلامی آئین کو اسلامی ثابت کرنے پر تیلے ہوئے ہیں، اور غیر اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی عدالتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی آئین کی رو سے فیصلے کرتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

”..... فَإِنْ كَانَ الْمُرَادُ جُحُودَ حُكْمِ اللَّهِ أَوْ الْحُكْمَ بغيرِهِ مَعَ الْإِخْبَارِ بِأَنَّهُ حُكْمُ اللَّهِ، فَهَذَا كُفْرٌ يُخْرِجُ عَنِ الْمِلَّةِ وَفَاعِلُهُ مُرْتَدٌّ.....“

”اور اگر (اس آیت میں کفر سے) مراد اللہ کے قانون سے فیصلہ کرنے کا انکار یا قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کر کے یہ کہنا کہ یہ اللہ کے قانون سے فیصلہ کیا گیا ہے، تو یہ (دونوں صورتیں) ایسا کفر ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور ایسا کرنے والا مرتد ہے۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اور (یاد رکھو) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (بلکہ غیر حکم شرعی کو مقصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کر لے) سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔“

مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بیان فرمائی ہے:

”اور یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے، بلکہ غیر حکم شرعی کو مقصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے، سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔“

چنانچہ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ان عدالتوں کو اسلامی ثابت کرتے ہیں۔

ومن لم يحكم بما أنزل الله اور فقہائے امت:

قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرنے کی بحث کو فقہائے امت نے بہت آسان انداز میں سمجھایا ہے۔

اصل بحث کا مرکز یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے یہ فرمایا کہ ”جو اللہ کے حکم کا انکار کرتے ہوئے قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرے“ وہ کافر ہو جاتا ہے ”اس انکار سے مراد کیا ہے؟ اس آیت کا یہ انکار کہ یہ اللہ کی نازل کردہ نہیں ہے یا اس کے حکم کو واجب ماننے کا انکار؟

اوپر ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ انکار سے مراد آیت کے حکم کے واجب کا انکار ہے نہ کہ اس کو منزل من اللہ ماننے کا انکار۔

اب اس سوال کو فقہی انداز میں کرتے ہیں تاکہ کسی بھی طالب علم کے لئے اس کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کے احکامات میں سے کسی بھی محکم حکم کے انکار کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ یعنی ایک شخص شادی شدہ آزاد مرد و عورت زانی کی سزا سنگسار کا انکار کرتا ہے قاتل

عہد کے لئے شریعت کے حکم قصاص کو واجب نہیں مانتا اسکو بطور قانون واجب نہیں تسلیم کرتا، البتہ قصاص والی آیت کے بارے میں کہتا ہے کہ میں اسکو قرآن کا حصہ ہی مانتا ہوں۔ اسکو منزل من اللہ مانتا ہوں۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟
جواب بالکل آسان اور ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ چونکہ یہ قرآن کے ایک قطعی (یقینی) حکم و قانون کا انکار کر رہا ہے لہذا اسکے کافر ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

”أَجْمَعَتِ الْفُقَهَاءُ أَنْ مَنْ قَالَ إِنَّ الْمُحَصَّنِينَ لَا يَجِبُ أَنْ يَرْجَمَا إِذَا زَنِيَا وَكَانَا حُرَّيْنِ - كَافِرٍ، وَإِنَّمَا كَفَرُ مَنْ رَدَّ حُكْمًا مِنْ أَحْكَامِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِأَنَّهُ مَكْذِبٌ لَهُ، وَمَنْ كَذَبَ النَّبِيَّ فَهُوَ كَافِرٌ“
”امام زجاج نے فرمایا کہ فقہاء کا اس شخص کے کافر ہونے پر اجماع ہے کہ جس نے یہ کہا کہ شادی شدہ آزاد مرد و عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو سنگسار کرنا واجب نہیں، اور بلاشبہ وہ شخص کافر ہے جس نے نبی کریم ﷺ کے احکام میں سے کسی حکم (قطعی) کو رد کر دیا، کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی تکذیب کی ہے اور جو نبی ﷺ کی تکذیب کرے وہ کافر ہے۔“

یہی معاملہ متعلقہ آیت میں فیصلہ کرنے کے بارے میں ہے۔ کہ کوئی حاکم یا جج قرآن کے کسی قطعی حکم کو اگرچہ قرآن کا جز تو مانتا ہے لیکن اسکو بطور قانون واجب نہیں مانتا تو اسکے کفر میں کسی کو کیوں شک ہوگا۔

قارئین کی آسانی کے لیے اس کو بھی ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

کفر اکبر:

ا. اس کی ایک تعریف تو پیچھے گزر چکی، جو امام صدر الدین ابن ابی العز حنفی نے بیان فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص یہ نظریہ یا عقیدہ رکھے کہ اس دور میں شریعت کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا یا کوڑے مارنا، بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد قرآن و سنت پر استوار کرنا، قتال فی سبیل اللہ کرنا..... مناسب نہیں، یا قابل عمل نہیں، یا ان پر عمل کرنے اور کرانے میں بے عزتی، شرمندگی اور (عالمی برادری میں) توہین سمجھ، یا حدود اللہ میں ترمیم کو جائز سمجھ، یا عملاً ترمیم کر لے، یا یہ نظریہ رکھے کہ انسانوں کے بنائے جدید نظام زیادہ مناسب ہیں..... تو یہ نظریہ کفر اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو برا جانا اور غیر اللہ کی شریعت کو اچھا جانا۔

ب. کفر اکبر کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قوانین کو بھی اچھا سمجھے لیکن جمہوری آئین کو اس سے زیادہ قابل عمل سمجھے۔

ج. یا جمہوری نظام کو نفاذ شریعت کے برابر سمجھے۔ ’ب‘ اور ’ج‘ کا حکم ایک جیسا ہے۔ یعنی یہ دونوں قسم کے افراد کفر اکبر، یعنی ایسے کفر میں مبتلا ہیں جو ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔ کیونکہ اللہ کے قانون کے مقابلے کسی اور کو اچھا سمجھنا، یا اس کے برابر سمجھنا درحقیقت اللہ کے نازل کردہ کی تردید ہی ہے۔

د. یا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کرنے سے طویل عرصے تک پہلے بازی کرتا رہا، مخالفت کی یا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿...ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ﴾ (السجدة: ۲۲)

”...پھر اس دین سے اعراض کیا، بے شک ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں۔“

یہ قسم بھی کفر اکبر کی ہے۔ نفاذ شریعت کا انکار، مخالفت یا دیر تک ٹال مٹول، فقہاء نے ان سب کا ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے۔ یہ کتب فقہ کے مشہور مسائل ہیں جو کسی بھی مسلک کی کتابوں اور فتاویٰ میں دیکھے جاسکتے ہیں، خصوصاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ کی

ساتویں جلد میں اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی شرح مسلم شریف (تکملہ فتح الملہم) کی کتاب الامارۃ میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

امام شامی فتاویٰ شامی میں استخفاف کی بحث کا نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں (جیسا کہ یہ قول پہلے بھی نقل ہوا):

”قلت و یظهر من هذا أن ما كان دلیل الاستخفاف یکفر به وإن لم یقصد الاستخفاف“۔

”میں کہتا ہوں کہ اس (مذکورہ بحث) سے یہ واضح ہوا کہ کوئی بھی عمل جو شریعت کے استخفاف پر دلالت کرتا ہو اس سے کافر ہو جائے گا اگرچہ استخفاف کی نیت سے یہ عمل نہ کیا ہو“۔

نیز مشہور حنفی فقیہ، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ ”بحر الرائق“ میں فرماتے ہیں:

”فَيَكْفُرُ إِذَا..... سَخِرَ بِأَمْرٍ مِنْ أَمْرِهِ..... أَوْ جَعَلَ لَهُ شَرِيكًا...“۔

”اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کا مذاق اڑایا یا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو کافر ہو جائے گا“۔

یاد رہے کہ قانون سازی میں کسی کو اللہ کا شریک بنانا کفر اکبر ہے، جو ملت سے خارج کردیتا ہے۔ جبکہ یہاں صرف شریک ہی نہیں بنایا گیا بلکہ نعوذ باللہ یہ حق مکمل غیر اللہ (پارلیمنٹ) کو دے دیا گیا ہے۔

”... وَكَذَا يَكْفُرُ الْجَمِيعُ لِاسْتِخْفَافِهِمْ بِالشَّرْعِ...“۔

”اسی طرح ان تمام لوگوں کو بھی کافر قرار دیا جائے گا جو شریعت کو حقیر سمجھتے ہیں“۔

”وَلَوْ صَغَرَ الْفَقِيهَ أَوِ الْعُلُوِّيَ قَاصِدًا لِاسْتِخْفَافَ الْبَالِغِينَ كَفَرًا...“۔

”اور اگر شریعت کو بے وقعت سمجھنے کی وجہ سے فقیہ کو کمتر جانا، تو یہ کفر ہے“۔

غور کرتے جائیے! اس نظام میں ایک عالم کی کیا عزت ہے اور جج کا کیا مقام ہے؟ نفاذ شریعت اور اس کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ کیا کچھ ہوتا ہے؟ کبھی وقت ملے تو عدالت کی ان کارروائیوں کی روداد پڑھیے گا، جو اسلامی دفعات سے متعلق ہوتی ہیں۔ عدالت و پارلیمنٹ کے درمیان ان اسلامی دفعات کو کس طرح جھولاجھلایا جاتا ہے، عدالت پارلیمنٹ کی طرف اچھال دیتی ہے، پارلیمنٹ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف..... یہ سب اسلام کا مذاق نہیں، تو پھر مذاق کی تعریف کیا ہے؟

کفر اکبر کی عام لیکن سب سے ناپاک صورت:

کفر اکبر کی سب سے عام، لیکن خطرناک صورت یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کے مقابلے میں ایک شریعت بنائی گئی، جو فرانسیسی، انگریزی، امریکی اور کچھ شریعت سے منسوب (اگرچہ ہے نہیں) نظاموں کا ملغوبہ ہے۔ اس ملغوبے کو نظام زندگی کے طور پر نافذ کر دیا گیا اور فیصلوں کا مرجع (Authority) و مأخذ قرار دیا گیا۔ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حلف لیا جاتا ہے، اس کی پاسداری و وفاداری کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں، اور اسی پر عمل کرنا لازم قرار دے دیا گیا۔ اس پر جان کی بلی چڑھانا، اور کسی باغی کی جان لے لینا حلال (قانونی) کر لیا گیا۔ جبکہ کوئی اگر یہ چاہے کہ وہ اللہ کی شریعت کو نظام زندگی کے طور پر نافذ کرے، یا خود اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، تو اس کو ریاستی قوت کے ذریعے کچل دیا جاتا ہے۔

مذکورہ صورت کفر اکبر کی سب سے ناپاک صورت ہو سکتی تھی، لیکن ابلیس نے اور محنت کی اور اپنے کارندوں کو امیدیں دلائیں، ان کی اس بد عملی کو ان کے سامنے خوب صورت بنا کر پیش کیا، لہذا اس کفر نے اور ترقی کی اور ایک ایسی صورت وجود میں آئی جس کا تصور بھی کلمہ

پڑھنے والا نہیں کر سکتا۔

اللہ پر بہتان اور جھوٹ کی جرأت:

وہ ناپاک، مذموم اور کرہہ صورت یہ ہے کہ اس ابلیسی شریعت کو اسلامی قرار دے دیا گیا جو سراسر اللہ وحدہ لا شریک کی ذات اقدس پر جھوٹ اور بہتان ہے، کہ ایک ایسی چیز کو اللہ کی جانب منسوب کر دیا گیا جو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ پر نازل ہی نہیں فرمائی، اور نہ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ لیکن خواہش پرست اور دنیا کی عبادت کرنے والے، زندگی کے غلام اور اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرنے والے، اپنے معبودوں کے کہنے پر اس کفر کو اسلامی کہنے پر بضد ہیں۔ جو اس آئین کو نہ ملنے وہ ان کے نزدیک باغی ہے، اس کا مال و جان ان کے لیے حلال ہے، ان کی پردہ دار خواتین کو اٹھا کر اپنے کیمپوں میں لے جانا "ان کی شریعت" نے جائز ٹھہرایا ہے۔ ما لکم کیف تحکمون؟

افسوس صد افسوس! کس گمان پر اللہ کے سامنے تم تن کر کھڑے ہو جاتے ہو؟ کس زعم میں مبتلا ہو کر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہو؟ کس بنیاد پر اتنی جرأت کر بیٹھے کہ عرش و کرسی کے مالک پر جھوٹ گھڑتے ہو؟ صرف اس لیے کہ دنیا کے عہدوں کے مزے لوٹو، اس مردار دنیا کی بدبودار لاش کو نوچنے میں تم بھی انہی کے شریک ہو جاؤ جنہوں نے اسی مردار کے بدلے اپنی آخرت کا سودا کر دیا.....؟ یا للعجب یا للعجب!..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا، "اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہو"۔

اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنے کا حکم، خلاصہء بحث: چونکہ اس باب کی بحث کافی طویل تھی، اس لیے قارئین کی آسانی کے لیے وضاحت کے ساتھ نکات کی صورت میں بحث کا خلاصہ یہاں ذکر کیے دیتے ہیں۔ اس باب میں کی گئی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنے کی دو بڑی صورتیں ہیں: اول، اس جرم کی وہ صورت جو اگرچہ عظیم گناہ ہے مگر دین سے خارج کرنے کا باعث نہیں:

- یہ کہ بحیثیت مجموعی شرعی نظام و شرعی قانون نافذ ہو اور ایک ایسا قاضی جو شرعی قوانین کو واجب العمل سمجھتا ہو اور اس کے ترک پر خود کو گناہ گار سمجھے، کسی ایک آدم واقعے میں ہوائے نفسانی یا اقرباء پروری یا رشوت خوری کی بناء پر شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کر دے، تو اگرچہ یہ سنگین جرم ہے مگر انسان اس کی بناء پر دین سے خارج نہیں ہوتا اور فاسق و ظالم قرار پاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی کفرِ اصغر کا مرتکب سمجھا جاتا ہے۔

- یہ کہ ایک پورا نظام عدلیہ اور نظام حکومت ہی ایسا ہو جہاں شرعی احکام بحیثیت مجموعی معطل ہوں اور ان کی جگہ انسانوں کے گھڑے ہوئے قانون نافذ ہوں، اور اس میں شریک قاضی یا جج اس انسانی قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر خود کوشدید گناہ میں مبتلا سمجھتا ہو، اس نظام سے غیر راضی ہو اور اس میں محض اس نیت سے شریک ہو کہ چونکہ ارباب اختیار اس کے سوا کسی قانون کو نافذ نہیں کرنے دیں گے، اس لیے عوام کے جائز حقوق انہیں دلوانے کے لیے وہ اضطراباً اس میں کام کر رہا ہے اور جیسے ہی شرعی قوانین کے نفاذ کا موقع ملے گا وہ انہیں نافذ کرنے سے لمحہ بھر نہیں رکے گا، تو ایسا شخص کفرِ اصغر کا مرتکب ہے جو اگرچہ گناہ کی ایک نہایت بھیانک صورت ہے مگر دین سے خارج کرنے کا باعث نہیں بلکہ اس کا مرتکب فاسق اور ظالم ہو گا، اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی، یہ حرام نوکری کرے گا اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہوگی۔

دوم، وہ صورت جو دین سے خارج کرنے کا باعث اور کفرِ اکبر ہے:

• یہ کہ ایک شرعی نظام کا قاضی جو دیگر تمام امور میں شرعی احکامات کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر کسی ایک یا زائد شرعی حکم کو بلا کسی قابل قبول شرعی عذر کے طویل عرصہ تک معطل رکھے اور اس کی جگہ غیر اللہ کے بنائے قانون کے موافق فیصلہ کرتا رہے تو یہ کفر اکبر ہے۔

• یہ کہ ایک شرعی نظام کا قاضی جو دیگر تمام امور میں شرعی احکامات کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر شریعت کے کسی ایک یا زائد قطعی حکم کو حقیر جان کر یا اس دور کے لیے فرسودہ سمجھ کر یا غیر اللہ کے قانون کو اس سے بہتر جان کر، اس شرعی حکم سے ہٹ کر فیصلہ کرے تو یہ کفر اکبر ہے۔

• یہ کہ ایک پورا نظام عدلیہ اور نظام حکومت ہی ایسا ہو جہاں اللہ کی شریعت کسی دلیل کی حیثیت نہ رکھتی ہو اور شرعی احکام بحیثیت مجموعی معطل ہوں اور ان کی جگہ انسانوں کے گھڑے ہوئے قانون نافذ ہوں، اور اس میں شریک قاضی یا جج اس انسانی قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور نہ وہ خود کو گناہ گار سمجھتا ہو، نہ ہی کوئی قابل قبول شرعی عذر رکھتا ہو، تو یہ بھی کفر اکبر کا مرتکب ہے، یعنی ایسا کفر جو دین سے خارج کر دیتا ہے۔ اس باب میں آنے والی اصولی بحث کا خلاصہ یہی ہے۔

نیز اس بحث سے یہ بھی واضح ہے کہ پاکستان کا موجودہ نظام عدلیہ اپنے اصول و ضوابط کے اعتبار سے ایک خالص غیر شرعی اور کفریہ نظام ہے کیونکہ اس میں ۶۵ سال سے انسان کے قانون کورب کی شریعت پر فوقیت حاصل ہے۔ نیز اسی سے ملک کے سیاسی نظام کا کفر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ یہ غیر شرعی قوانین پہلے پارلیمان میں بنتے و تیار ہوتے ہیں اور اس کے بعد ہی عدالتیں ان قوانین کو نافذ کرتی ہیں۔ نیز اس سے اس مجموعی ریاستی ڈھانچے کا باطل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جو ان طاغوتی عدالتوں کو اپنا ایک اساسی ستون سمجھتا ہے، ان کے عمل کو مباح (قانونی) بلکہ مقدس قرار دیتا ہے اور ان کے احترام کو آئین و قانون کی رو سے واجب بناتا ہے۔ اس غلیظ ریاستی ڈھانچے کو اسلامی کہنا بھلا پھر کیسے ممکن ہے؟

یہ تو وہی کام ہو گیا جو یہود کیا کرتے جسکی مذمت قرآن نے بیان کی ہے۔ فرمایا:

{ قَوْلٌ لِلَّذِينَ يُكْفِتُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا كُتِبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ } [البقرة: ۷۹]

”بربادی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑا مال خرید لیں، سو بربادی ہے ان کے لئے جو کچھ وہ لکھتے ہیں اور بربادی ہے ان کے لئے جو کچھ وہ کماتے ہیں۔“

اب رہا ججوں اور وکلاء وغیرہ کا حکم، تو اس حوالے سے خلاصہ تو درج بالا سطور میں ذکر کر دیا گیا ہے لیکن اس خلاصے کو لے کر متعین افراد (یعنی فلاں بن فلاں) پر فتویٰ لگانا چند جملوں میں اجمالاً ممکن نہیں، نہ ہی اس مقام پر یہ ہمارا اصل مقصود ہے، بلکہ یہ مفتی صاحبان کا کام ہے کہ وہ درج بالا صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس نظام میں شریک افراد کے حالات کی تحقیق کرنے کے بعد اس پر شرعی حکم منطبق کریں۔ ہمیں اس بحث میں اصل مقصود افراد کا حکم بیان کرنا نہیں، بلکہ اس نظام کا کفر ثابت کرنا ہے۔ رہے اس میں شریک افراد تو ہم انہیں دل سوزی سے یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس خطرناک جرم کی برائی سمجھیں، اس سے توبہ کر کے خود کو ان مکروہ پیشوں سے علیحدہ کریں..... اور اگر اب بھی اسی کفریہ عدالتی نظام کا حصہ بنے رہیں پر مصر ہیں، تو کم از کم اس میں شرکت کو گناہ تو سمجھیں، اس سے کراہت و نفرت کا

اظہار کریں اور خود کو حالتِ اضطراب میں سمجھیں..... شاید کہ یہ امر ان کے جرم کی شدت کو کچھ کم کر دے... اگرچہ رہے گا وہ پھر بھی ایک سنگین جرم ہی!

نیز یہ ساری بحث ہر عام مسلمان کو بھی دعوت ہے کہ وہ اللہ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کے جرم کی شناخت و برائی سمجھے، ان جاہلی عدالتوں کے نظام سے اپنا رشتہ کاٹے اور اپنے فیصلے علمائے کرام سے شریعت کے مطابق کروائے۔

